قرآن وسنت اور اسلاف امت کی تعلیمات کا داعی

دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ صدائے حق بنگلور

سرپرست

حضرت مولانا **محمد سلمان صاحب** بجنوری زیدت معالیہم

استاذ حدیث و مدیر ماہنامہ دار العلوم دیوبند

مدیر

عبدالرزاق بنگلوری

نائب مدیر

مفتی عبدالرحمٰن بنگلوری

ناشر

مجلس، صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور-78

قرآن وسنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا داعی

دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ

صدائے حق بنگلور

جلد:۰۴	شمارہ:۱	ماہ جولائی ۲۰۲۳ء	ماہ ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم

استاذِ حدیث و مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر	نائب مدیر
عبدالرزاق بنگلوری	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری

مجلس ادارت

مفتی محمد علی صاحب قاسمی

مولانا محمد اُویس صاحب رشادی

مولانا عبداللطیف صاحب قاسمی

مجلسِ مشاورت

مولانا اشرف صاحب قاسمی

مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری

مفتی عبدالفتاح صاحب قاسمی

ADVERTISEMENT TARIFF

Full Page (Title Back Cover)	6000/-
Full Page (Title Inner Cover)	5000/-

Black and White

Full Page (Inside Pages)	2000/-
Half Page (Inside Pages)	1000/-
Cuarter Page (Inside Pages)	500/-

Phone Pe & Google Pay:7406464533

مضمون نگار کی آراسے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

شائع کردہ

مجلس: صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور 78

فہرست مضامین

عناوین	مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
اداریہ	یکساں سِوِل کوڈ اور دستورِ ہند	عبدالرزاق بنگلوری	۳
درسِ حدیث	برتری محض تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری	۶
سیرتِ نبویؐ	تھکی ہے فکرِ رساں مدح باقی ہے	مولانا محمد عبداللہ سلّمہٗ مہاراشٹر	۱۱
تحقیقات	یومِ عاشوراء کے اعمال کی فضیلت اوران کی حقیقت	مفتی احمداللہ نثار صاحب قاسمی	۱۵
اصلاحِ معاشرہ	کعبۃ اللہ کی کنجی اور عثمان بن طلحہؓ	مفتی عبداللطیف صاحب قاسمی	۱۸
// // //	خدارا! خواتین کی تربیت پر توجہ دیں!	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی	۲۱
// // //	اولاد کی بہترین تعلیم وتربیت والدین کا اہم فریضہ	مولانا عمرین محفوظ رحمانی صاحب	۲۶
// // //	۱۰ / محرم کو اہل وعیال پر وسعت کرنا مستحب ہے!	مفتی احمداللہ نثار صاحب قاسمی	۲۸
// // //	قلب کو اخلاقِ محمودہ سے مزین کرنے کا بیان (قسط سوم)	مفتی محمد سلطان خان صاحب قاسمی	۳۰
مقالات	اکابر دیوبند کے علوم ومعارف	مولانا محمد اویس صاحب رشادی	۴۰

اطلاعِ عام

نوٹ: مضمون نگار اپنے مضامین مندرجہ ذیل ای میل (E-mail) یا واٹسیپ (WhatsApp) پر ان پیج (InPage) فائل روانہ کرسکتے ہیں، جزاکم اللہ خیراً وأحسن الجزاء.

Email: muftiabdurrahman57@gmail.com

Whatsapp No: 09620795460 - 9739349433

ادار یہ

یکساں سِوِل کوڈ اور دستورِ ہند

از: عبدالرزاق بنگلوری

موجودہ صورتِ حال میں ایسے ضابطہ کی ضرورت کو بار بار محسوس کیا گیا ہے؛ جو سب کے لیے مشترک ہے، جو شادی، طلاق، جانشینی وغیرہ جیسے پہلوؤں کے سلسلہ میں یکساں اُصولوں کا اطلاق کرنے کے قابل بنائے گا؛ تاکہ طے شدہ اُصول، حفاظتی اقدامات اور طریقۂ کار پر عمل کیا جائے۔

ہندوستان کے آئین میں ملک میں یکساں سِوِل کوڈ لانے کی بات کی گئی ہے، جس کے تحت شادی بیاہ، طلاق، وراثت اور گود لینے جیسے عائلی قوانین کو بلاتفریق مذہب وملّت یکساں بنانا ہے۔

جب کہ عدالت نے کہا کہ مختلف ذاتی قوانین میں تنازعات اور تضادات کی وجہ سے شہریوں کو جدوجہد کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا ہے۔

عدالت نے کہا کہ جدید ہندوستانی معاشرہ میں جو آہستہ آہستہ یکساں ہوتا جارہا ہے مذہب، برادری اور ذات پات کی روایتیں رکاوٹیں آہستہ آہستہ ختم ہورہی ہیں۔

عدالت نے کہا کہ ہندوستان کے نوجوان جو مختلف برادریوں، قبائل، ذاتوں یا مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنی پسند کی شادی کرتے ہیں، انہیں مختلف ذاتی قوانین میں تنازعات کی وجہ سے پیدا ہونے والے معاملات خصوصاً شادی وطلاق سے متعلق تنازعات کے لیے جدوجہد کرنے پر مجبور نہیں ہونا چاہیے۔

عدالت کا یہ مشاہدہ ایچ ایم اے ۱۹۵۵ء کے سیکشن (۲) کے تحت خارج ہونے کے پیشِ نظر مینا برادری سے تعلق رکھنے والی جماعتوں کے سلسلے میں؛ ہندو میرج ایکٹ ۱۹۵۵ء کے اطلاق کی درخواست کی سماعت کے دَوران سامنے آیا۔

اس جوڑے نے ۲۴/جون ۲۰۱۲ء کو شادی کی، ہندو میرج ایکٹ ۱۹۵۵ء کے سیکشن ۱۳-۱(آئی اے) کے تحت طلاق لینے کی درخواست ایک شخص نے ۲/دسمبر ۲۰۱۵ء کو دائر کی تھی، جب کہ خاتون نے طلاق کی عرضی کو خارج کرنے کی درخواست کی تھی۔

اس عرضی پر فیصلہ فیملی کورٹ کے ذریعہ لیا گیا اور طلاق کی عرضی کی درخواست کو خارج کرتے ہوئے کہا کہ

ہندو میرج ایکٹ ۱۹۵۵ء مینا برادری پر اطلاق نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ وہ پسماندہ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس کے بعد مذکورہ شخص نے ۲۸ر نومبر ۲۰۲۰ء کے ٹرائل کورٹ کے حکم کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا، ہائی کورٹ نے اسے اپیل کی اجازت دے دی ہے۔

دہلی ہائی کورٹ نے ملک میں یکساں سِول کوڈ (یونیفارم سول کوڈ) کی ضرورت پر زور دیا ہے۔''آج تک'' پر شائع رپورٹ کے مطابق طلاق کے ایک معاملہ پر فیصلہ سناتے ہوئے عدالتِ عالیہ نے کہا کہ ملک اب مذہب، ذات پات اور طبقہ کی تفریق سے بالاتر ہو چکا ہے؛ لہٰذا یہاں یکساں سِول کوڈ نافذ کیے جانے کی ضرورت ہے۔

جسٹس پرتبھا ایم سنگھ نے اپنے فیصلے میں کہا کہ آج کا ہندوستان مذہب، ذات، کمیونٹی سے بالاتر ہو چکا ہے، جدید ہندوستان میں مذہب اور ذاتوں کی بندشیں تیزی سے ٹوٹ رہی ہیں، تیزی سے واقع ہو رہی ان تبدیلیوں کے سبب بین المذاہب اور بین الطبقات شادیوں اور طلاق میں دقتیں پیش آ رہی ہیں۔

فیصلے میں مزید کہا گیا کہ آج کی نوجوان نسل کو ان دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے اس لیے ملک میں یکساں سِول کوڈ کی اطلاق ناگزیر ہے۔ آئین کی دفعہ ۴۴ میں یکساں سِول کوڈ کی جو اُمید ظاہر کی گئی ہے اُسے اب صرف اُمید نہیں رہنا چاہیے؛ بلکہ اسے حقیقت میں بدل دینا چاہیے۔ خیال رہے کہ طلاق کے جس معاملہ میں دہلی ہائی کورٹ کی جسٹس پرتھا ایم سنگھ نے یہ تبصرہ کیا، اُس میں یہ سوال پیدا ہو رہا تھا کہ طلاق ہندو میرج ایکٹ کے مطابق ہو، مینا قبائلی اُصولوں کے مطابق۔ دراصل شوہر ہندو میرج ایکٹ کے مطابق شادی سے علیٰحدگی کا خواہاں تھا جبکہ بیوی کا کہنا تھا کہ وہ چوں کہ مینا قبائلی برادری سے تعلق رکھتی ہے؛ لہٰذا اُس پر ہندو میرج ایکٹ عائد نہیں ہوتا، بیوی کا مطالبہ تھا کہ اس کے شوہر کی طلاق کی عرضی کو عدالت سے حارج کر دیا جائے۔

شوہر نے بیوی کی اس دلیل کے خلاف ہائی کورٹ میں عرضی دائر کی تھی، عدالت نے شوہر کی عرضی کو قبول کرتے ہوئے یکساں سِول کوڈ نافذ کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ ہائی کورٹ نے اپنے فیصلہ میں یہ بھی کہا کہ اس فیصلہ کو وزارتِ قانون کے پاس بھیجا جائے؛ تاکہ یکساں سِول کوڈ نافذ کرنے کے حوالہ سے غور وخوض کی جا سکے۔

دستورِ ہند:

یہ دستور کا بہت بڑا تضاد ہے کہ ایک طرف اس میں یکساں سِول کوڈ کو نافذ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے تو دوسری طرف اقلیتوں کو ان کے پرسنل لاء پر عمل کرنے کی آزادی بھی دی گئی ہے۔

☆ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے، جس کا تقاضا ہے کہ ملکی قوانین مذہبی پابندیوں سے آزاد ہوں پ اس سلسلہ میں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ سیکولرازم کا مطلب وہ نہیں جو یہ حضرات بتاتے ہیں؛ بلکہ

اس کا درست مطلب یہ ہے کہ حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہوگا، وہ کسی مذہب کی طرف دار نہیں ہوگی اور ملک میں رہنے والے ہر فرد کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی ہوگی۔

☆ کہا جاتا ہے کہ مذہبی قوانین بہت پُرانے ہیں اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ یہ بات چاہے دیگر مذاہب پر صادق آتی ہو؛ لیکن اسلام پر اسے چسپاں کرنا بالکل درست نہیں ہے۔ اسلام کے عائلی قوانین بہت زیادہ سائنٹفک اور مبنی بر عدل ہیں اور ان میں عصری تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ان کے بارے میں غلط فہمیاں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ بہت سے مسلمان ان پر عمل نہیں کرتے اور کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں، اگر تمام اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو ان کی معقولیت اور فطرتِ انسانی سے ان کی ہم آہنگی کا دنیا مشاہدہ کرے گی۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمان اپنے مذہب سے گہری وابستگی رکھتے ہیں، ان کے نزدیک جتنی اہمیت عبادات: نماز، روزہ، زکاۃ اور حج کی ہے، اتنی ہی اہمیت نکاح، طلاق، خلع، مباراۃ، ہبہ، وصیت، وراثت، تبنّیت اور دیگر عائلی احکام وقوانین کی ہے، وہ کسی بھی صورت میں ان سے دست بردار نہیں ہوسکتے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک بھر میں امن وامان قائم فرمائے، ساری رکاوٹیں دُور فرمائے، آمین۔

❑❖❑

درسِ حدیث

برتری محض تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے

ازقلم: مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری، ناظم مدرسہ دارالتوحید، اعلیٰ ہلی بنگلور

عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَهُ إِنَّكَ لَسْتَ بِخَيْرٍ مِنْ أَحْمَرَ وَلَاأَسْوَدَ إِلَّا أَنْ تَفْضُلَهُ بِتَقْوٰى.

(مشكاة: ص/٤٤٣)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: ’’(ابوذر!) تم نہ تو سُرخ رنگ والے سے بہتر ہو اور نہ سیاہ رنگ والے سے، اِلاّ یہ کہ تم ان دونوں میں سے کسی سے تقویٰ کے اعتبار سے افضل ہو‘‘۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ انسانی فضیلت و برتری، ظاہری شکل وصورت اور رنگ ونسل پر موقوف نہیں ہے؛ بلکہ اِس کا مدار دینی واخلاقی کردار کی عظمت اور تقویٰ پر ہے۔ واضح رہے کہ حدیث میں صرف دورنگوں (سُرخ اور سیاہ) کا ذکر اِس بنا پر کیا گیا ہے کہ زیادہ تر لوگ انہیں دورنگ کے ہوتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ ان دورنگوں والوں سے مراد آقا اور غلام ہیں؛ چناں چہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ آقا گورے رنگ کا ہوتا ہے اور غلام کالے رنگ کا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ: یہاں سُرخ رنگ سے مراد اہلِ عجم اور سیاہ رنگ سے مراد اہلِ عرب ہے؛ چناں چہ (اِس زمانہ میں) اہلِ عرب، عجم والوں یعنی غیر عرب لوگوں کو ’احمر‘ (سُرخ) کہا کرتے تھے؛ کیوں کہ ان کے رنگ پر سُرخی اور سفیدی غالب ہوتی تھی، اور اہلِ عرب کو ’اسود‘ (سیاہ) کہا جاتا تھا؛ کیوں کہ ان کی رنگت پختہ ہوتی تھی اور اس پر سیاہی اور سبزی کا غلبہ ہوتا تھا۔

بہرحال انسان کی برتری وشرافت محض تقویٰ وپرہیزگاری کی وجہ سے ہے، رنگ ونسل کا تقویٰ پر کوئی اثر نہیں ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِكَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ،

اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے؛ تاکہ آپس کی پہچان ہو، تحقیق عزّت اللہ کے یہاں اُسی کو بڑی جس کو ادب بڑا

اِنَّ اللّٰـهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ O﴾ (سورۂ حجرات، رقم الآیۃ:۱۳، رکوع:۲، پارہ:۲۶) (اکثر غیبت، طعن وتشنیع اور عیب جوئی کا منشاء کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، اس کو بتلاتے ہیں کہ اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا یا معزز وحقیر ہونا ذات پات اور خاندان ونسب سے تعلق نہیں رکھتا؛ بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مؤدب اور پرہیزگار ہو اُسی قدر اللہ کے یہاں معزز ومکرم ہے، نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام کی اولاد ہیں۔ شیخ، سیّد، مغل، پٹھان اور صدیقی، فاروقی، عثمانی وانصاری سب کا سلسلہ آدم وحواء علیہما السلام پر منتہی ہوتا ہے، یہ ذاتیں اور خاندان اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت کے لیے مقرر کیے ہیں۔ بلاشبہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ ومعزّز گھرانے میں پیدا کردے وہ ایک موہوب شرف ہے، جیسے کسی کو خوبصورت بنا دیا جائے؛ لیکن یہ چیز ناز اور فخر کرنے کے لائق نہیں کہ اسی کو معیارِ کمال اور فضیلت کا ٹھہرالیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے، ہاں! شکر کرنا چاہیے کہ اُس نے بلا اختیار وکسب ہم کو یہ نعمت مرحمت فرمائی، شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور وتفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو کمینہ اخلاق اور بُری خصلتوں سے خراب نہ ہونے دیں۔ بہرحال مجد وشرف اور فضیلت وعزت کا اصلی معیار نسبت نہیں؛ تقویٰ وطہارت ہے اور متقی آدمی دوسروں کو حقیر کب سمجھے گا؟) اللہ سب کچھ جانتا ہے، خبردار (یعنی تقویٰ اور ادب اصل میں دل سے ہے۔ اللہ ہی کو خبر ہے کہ جو شخص ظاہر میں متقی اور مؤدب نظر آتا ہے وہ واقع میں کیسا ہے اور آئندہ کیسا رہے گا إِنَّمَا الْعِبْرَةُ لِلْخَوَاتِيمِ)۔ (ماخوذ از ترجمہ شیخ الہند مع فوائد عثمانیؒ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے انساب کو سیکھو، جس کی وجہ سے تم صلہ رحمی کرسکو؛ چوں کہ صلہ رحمی خاندان میں محبت کا ذریعہ ہے، مال میں اضافہ کا سبب ہے، دنیا سے جانے کے بعد یادگار (یاد کرنے کا ذریعہ) ہے''۔

ایک دوسری روایت میں منقول ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: ''لوگوں میں سب سے زیادہ کون معزز ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جس میں پرہیزگاری زیادہ ہو، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: ہم اِس سلسلہ میں سوال نہیں کررہے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ معزز یوسف علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، نبی کے صاحبزادہ ہیں اور وہ خلیل اللہ کے بیٹے ہیں، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم اِس سلسلہ میں سوال نہیں کررہے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: عرب کے خزانوں کے سلسلہ میں سوال کررہے ہو؟ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اثبات میں جواب عنایت فرمایا: جاہلیت میں جو بہتر وہ اسلام میں بھی بہتر جب کہ وہ سمجھدار ہو۔

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتے؛ بلکہ تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: دیکھو! تم (خوبصورتی) میں لال اور کالے ہونے کے اعتبار سے خیر پر نہیں ہو؛ بلکہ تمہاری بزرگی اور شرافت اللہ کے خوف میں ہے۔

انساب پر فخر انتہائی مذموم عمل ہے:

عام طور سے بعض لوگ خاندان اور حسب ونسب پر حد سے زیادہ فخر کرتے ہیں، بڑائی جتاتے ہیں؛ حالاں کہ وہ کوئی قابلِ فخر چیز نہیں ہے؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے، کچھ قومیں آئیں گی جو اپنے آباء (انساب) پر فخر کریں گی، (ایسے لوگ (قومیں)) اللہ کے نزدیک کالے حقیر کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوں گے۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کا طواف کر رہے تھے اپنی قصواء اونٹنی پر اور اپنے ہاتھ میں رکھی چھڑی سے حجرِ اسود کا بوسہ لے رہے تھے...... پھر آپ صلی اللہ علیہ سلم نے اپنی اونٹنی پر خطبہ دیا، اللہ کی حمد وثناء بیان کی جیسا کہ اُس کی شان کے مناسب ہے، پھر فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے نعروں کو ختم کر دیا اور اپنے آباء کی شرافت پر فخر کرنے کو، لوگ دو قسم کے ہیں: (۱) ایک وہ جو نیک، پرہیزگار اور اللہ کی نگاہ میں معزز ہے (۲) لوگوں کی دوسری قسم فاجر و بدبخت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِس مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى الخ﴾ پھر فرمایا: میں یہ اِس بات کو کہہ رہا ہوں اور میرے لیے اور تمہارے لیے اللہ سے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔

اللہ کے نزدیک ہر عمل میں معیار تقویٰ ہے:

جو بھی عمل کیا جائے اُس میں تقویٰ مقصود ہے، بغیر تقویٰ وخلوص کے جتنا بھی بڑا عمل کیا جائے وہ ناقابلِ التفات ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ، وَاللّٰهُ

بھلا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ سے ڈرنے پر اور اُس کی رضامندی پر ایک کھائی کے جو گرنے کو ہے پھر اُس کو لے کر ڈھے پڑا دوزخ کی

لَايَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ○﴾
(سورۂ توبہ، رقم الآیۃ:۱۰۹، رکوع:۱۳، پ:۱۱)

آگ میں (یعنی جس کام کی بنیاد تقویٰ، یقین واخلاص اور خدا کی رضا جوئی پر ہو، وہ نہایت مستحکم اور اور پائدار ہوتا ہے، برخلاف اُس کے جس کام کی بناء شک ونفاق اور مکر وخداع پر ہو، وہ اپنی ناپائداری، بودے پن اور انجامِ بد کے لحاظ سے ایسا ہے جیسے کوئی عمارت ایک کھائی کے کنارہ پر کھڑی کی جائے کہ ذرا زمین سرکی یا پانی کی تھپیڑ کنارہ کو لگی، ساری عمارت دھڑام سے نیچے آرہی اور آخر کار دوزخ کے گڑھے میں جا پہنچی) اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو (یعنی بظاہر کوئی نیک عمل بھی کریں (جیسے مسجد بنانا) ظلم وناانصافی کی شامت سے بن نہیں پڑتا)۔ (ماخوذ از شیخ الہندؒ مع فوائد عثمانیؒ)

اسی کی مناسب تشریح اِس آیت سے معلوم ہوتی ہے:

﴿حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ، وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْتَهْوِیْ بِهِ الرِّيْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ○﴾
(سورۂ حج، پ:۱۷، رقم الآیۃ:۳۱، رکوع:۴)

ایک اللہ کی طرف کے ہوکر نہ کہ اُس کے ساتھ شریک بنا کر (یعنی ہر طرف سے ہٹ کر ایک اللہ کے ہوکر رہو۔ تمہارے تمام افعال ونیات بالکلیہ بلاشرکت غیرے خالص خدا کے لیے ہونے چاہئیں) اور جس نے شریک بنایا اللہ کا، سو جیسے گر پڑا آسمان سے پھر اُچکتے ہیں اُس کو اُڑنے والے مردار خوار، یا جاڈالا اُس کو ہَوا نے کسی دُور مکان میں (یہ شرک کی مثال بیان فرمائی۔ خلاصہ یہ ہے کہ توحید نہایت اعلیٰ اور بلند مقام ہے۔ اس کو چھوڑ کر جب آدمی کسی مخلوق کے سامنے جھکتا ہے تو خود اپنے کو ذلیل کرتا ہے اور آسمانِ توحید کی بلندی سے پستی کی طرف گراتا ہے، ظاہر ہے کہ اس قدر اُونچے سے گر کر زندہ بچ نہیں سکتا۔ اب یا تو اہواء وافکار ردیہ کے مردار خوار جانور چاروں طرف سے اُس کی بوٹیاں نوچ کر کھائیں گے یا شیطان لعین ایک تیز ہوا کے جھکڑ کی طرح اُس کو اُڑا لے جائے گا اور ایسے گہرے کھڈے میں پھینکے گا جہاں کوئی ہڈی پسلی نظر نہ آئے، یا یوں کہوں کہ مثال میں دو قسم کے مشرکوں کا الگ الگ حال بیان ہوا ہے، جو مشرک اپنے شرک میں پوری طرح پکا نہیں، مذبذب ہے، کبھی ایک طرف جھک جاتا ہے، کبھی دوسری طرف، وہ ﴿فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ﴾ کا، اور جو مشرک اپنے شرک میں پختہ، مضبوط اور اٹل ہو، وہ ﴿تَهْوِیْ بِهِ الرِّيْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾ کا مصداق ہے یا ﴿تَخْطَفُهُ الطَّيْرُ﴾ سے مراد لوگوں کے ہاتھوں مارا جانا اور ﴿تَهْوِیْ بِهِ الرِّيْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾ سے طبعی موت مرنا مراد ہو، اکثر مفسرین نے وجہ تشبیہ کے بیان میں اسی طرح کے احتمالات ذکر کیے ہیں؛ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: ''جس کی نیت ایک اللہ پر ہے، وہ قائم ہے اور

جہاں نیت بہت طرف گئی وہ سب اُس کو (پریشان کرکے) راہ میں سے اُچک لیں گی، یا سب سے منکر ہوکر دہری ہو جائے گا''۔ (ماخوذ از شیخ الہندؒ مع فوائد عثمانیؒ)

ان سب روایات وآیات سے پتہ چلا کہ معیارِ کامیابی تقویٰ وپرہیزگاری ہے، نہ کہ خوبصورتی وبدصورتی۔ مال یا عہدہ نہیں ہے؛ بلکہ خلوص، رضاءِ الٰہی کی جستجو اور ریاء وسمعہ سے محفوظ رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر عمل میں خلوص اور اس کی رضاء کا حصول ہمارے لیے مقدر فرمائے، ہر قسم کے ریاء وشرک سے محفوظ رکھیں، آمین۔

❑❖❑

سیرتِ نبویؐ

تھکی ہے فکرِ رساں مدح باقی ہے!

ازقلم: محمد عبداللہ لاتور مہاراشٹر، متعلّم دارالعلوم دیوبند

اسلام دنیا کا سب سے بڑا، سب سے آخری اور ابدی مذہب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے آخری دَور میں دنیا کی فلاح ونجات کے لیے نازل فرمایا، یہ دین ہر پہلو سے کامل ومکمل ہے، اسلام کی پُرشکوہ عمارت جن بنیادوں پر قائم ہے اُن میں ''توحیدِ الٰہی،، کو اوّلیت اور اساسی حیثیت حاصل ہے۔ ثانیاً جو ستون بنیادی مقام رکھتا ہے وہ رسالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم وبنی نوعِ آدم کے لیے باعثِ صد افتخار بنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی حسنِ صورت اور جمالِ سیرت کے لحاظ سے اس قدر اکمل اور جامع ہے کہ ازل سے تا ابد تمام شخصی محاسن جمع کیا جائے تو پھر بھی ان کا موازنہ محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والتسلیم کی جامع المحاسن والصفات کی ہمہ جہتی خصائص کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا، بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ذاتِ مصطفیٰ ذاتِ خدا کا مظہر ہے اور صفاتِ مصطفیٰ صفاتِ خدا کی مظہر ہیں۔ اسی کو سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے مخصوص انداز میں اِس طرح بیان کیا ہے:

وشق له من اسمه ليجله
فذو العرش محمود و هٰذا محمد
و ضم الاله اسم النبی إلیٰ اسمه
إذا قال في الخمس الموذن أشهد

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت میں اضافہ کرنے کے لیے اپنے نام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مشتق کیا ہے۔
پس عرش کا مالک محمود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم محمد ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ گرامی اپنے نام کے ساتھ ملایا۔
جسے موذن دن میں پانچ مرتبہ بیان کرتا ہے۔ (دیوانِ حسان بن ثابتؓ: ص/۱۴۵)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کی شان کو بلند کرنے کے لیے اُن کا نام اپنے نام کے ساتھ مشتق کیا، عرش والا خدا محمود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے جب مؤذن اذان میں شہادتیں پڑھتا ہے۔

پروردگارِ عالم نے آپ کو نام ہی ''محمد'' دے کر بتا دیا کہ آپ سے بڑھ کر میری تعریف وتوصیف کرنے والا کوئی نہ ہوگا، ایک مسلمان جب عشق ومحبت کو اپنا راہ نما تسلیم کر کے اپنے آقا ومولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں، رفعتوں، خصائص، صفات اور محاسن کا تذکرہ کرتا ہے تو ورطۂ حیرت میں کھو جاتا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر اعلیٰ وارفع ہیں، کس قدر بلند مرتبہ اور عالی النسب ہیں، کس قدر ذی وجاہت اور صاحبِ شان واحترام ہیں، تو بے اختیار قلب ودماغ سے آواز آتی ہے کہ تجھے بھی ان سے تعلق بڑھانا چاہیے۔

یہ جذبہ وارفتگی ایک عاشق صادق کو ابھارتی ہے کہ جس کی شان خود خدا بیان کرے تو بھی ہمت کر اور اس مبارک فہرست میں اپنا نام رقم کر؛ چناں چہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

و أحسن منک لم ترقط عینی
و أجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرءً من کل عیب
کأنک قد خلقت کما تشاء

''میری آنکھوں نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی جمیل نہیں جنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا ہے، گویا کہ جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا اُسی طرح پیدا کیا گیا''۔ (دیوانِ حسان بن ثابتؓ: ص/۵۶)

جب چند اجزاء متناسب ہو جائیں تو حسن ظہور میں آتا ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ متناسب اس طرح ہونے چاہئیں کہ چشمِ انسان کوئی نقص تلاش نہ کر سکے...... کسی فرد کے نقوش اور اعضاء متناسب ہوں تو فرد کا ظاہر حسین، عمل میں حسن ہو تو عمل حسین، فکر طیب ہو تو افکار حسین؛ لیکن جب یہ تمام اجزاء باہم مل جائیں تو یقیناً مکمل پیکر حسین ہو جائے گا...... اس لیے تو میں کہہ اٹھا کہ سید الشاہدین صلی اللہ علیہ وسلم، رحمتِ عالم، خیر الانام، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پیکرِ جمیل تھے۔

یہی وہ پیکرِ جمیل صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ جن کی زمان ومکان میں تعریفیں کی گئی...... اور بے شمار عشاق نے

اپنے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھا اور بہت کچھ لکھا آخر کار ان کو تسلیم کرنا پڑا:

تھکی ہے فکرِ رساں اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا مدح باقی ہے
اور ورق تمام ہوا مدح باقی ہے

اور یہ اعتراف کیوں کر نہ ہوتا جب کہ ایک طرف پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ خدا ہیں، وہیں دوسری طرف محبوبِ خلائق بھی ہیں، جامع الخصائل بھی ہیں، مجمع الکمالات بھی ہیں، نورِ خدا کے مظہر بھی ہیں، عشاق کی چاہتوں کے مرکز بھی ہیں۔ آپ کے جمال جہاں آرا کو جس نے ایک مرتبہ دیکھا دیکھتا ہی رہ گیا، آپ کی مقامِ رفعت کو جس نے دیکھا اُس کی نظریں خیرہ ہوگئیں۔

دیکھیں تیرا جلوہ تو تڑپ جائیں نظر بھی
روشن ہیں تیرے نور سے سورج بھی قمر بھی

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ نے اپنی کتاب ''الجواب الصحیح'' میں بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے انقلابی اثر، اس کی اہمیت اور نتائج کی بڑی خوبصورت انداز میں تصویر کشی کی ہے؛ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

رسول اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق، اقوال و افعال اور ان کی شریعت خدا کی آیات میں سے ہے اور ان کی امت و امت کا علم و دین اور اس امت کے صالحین کی کرامات بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم پر پوری طرح قائم رہے اور اس میں پوری صداقت، عدل اور وفاداری برتتے رہے، کبھی کوئی جھوٹ، کسی پر ظلم، کسی سے بے وفائی ثابت نہیں؛ بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سچے، اعتدال پسند اور وفا شعار تھے؛ یہی وجہ تھی کہ دعوتِ اسلام عرب کی اس سرزمین میں پھیل گئی جو اس سے پہلے بت پرستی، کواکب پرستی، کفر و شرک، قتل و سفا کی، قطع رحمی سے بھری تھی، اور جو لوگ آخرت اور معاد کو جانتے تک نہ تھے، اب وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ علم والے، دین والے، انصاف اور فضیلت والے بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ روئے زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام امتوں سے ہر معاملہ میں برتر و بہتر ہے، اور اگر ان کی شجاعت اور اللہ کے راستے میں جہاد اور اللہ کے لیے مصائب کے برداشت کرنے کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ وہ اس باب میں بھی آپ سے بڑھ کر ہیں، اور اگر ان کی سخاوت و فیاضی اور دوسروں کے ایثار و خوش اخلاقی پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ فیاض و شریف

تھے، یہ تمام فضائل واخلاق امت کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہی حاصل ہوئے تھےاورآپ ہی نے ان باتوں کی تعلیم وتلقین کی تھی۔(الجواب الصحیح: ج۴،ص۸۲)

خلاصۂ کلام:

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی جامع الخصائص والصفات ہماری پوری زندگی کے لیے مشعلِ راہ ہے؛ بل کہ کائنات کی ہرشئ کے لیے مشعلِ راہ ہے؛ لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم زندگی کو نبوی اصولوں کے مطابق گزارنے کی کوشش کریں!

حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذات کے اعتبار سے بھی اور پیغام کے اعتبار سے بھی رحمت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، ذاتی اور نبوی رحمۃ للعالمینی کا کامل ظہور ہے۔

یہاں ایک اہم بات قابلِ ذکر معلوم ہوتی ہے...... یہ کہ رحمۃ للعالمین کا ظہوراس وقت ہوا جب انسان اس کے کامل شخصیت اور مکمل پیغام کا اہل ہو چکا تھا، اس سے قبل اس کی ارتقائی منازل میں اس کے فہم کے مطابق کام کیا، جوں ہی پختہ ہو گیا رحمۃ للعالمین کو پیدا کیا گیا، علامہ اقبال نے غالباً اسی کی طرف اشارہ کیا ہے!

خلق وتقدیر وہدایت ابتداء است
رحمۃ للعالمین انتہاء است

❏❖❏

تحقیقات

یومِ عاشوراء کے اعمال کی فضیلت اور ان کی حقیقت

از: مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی، ناظم دار العلوم رشیدیہ وصدر دار الافتاء والارشاد حیدرآباد

(۱) عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنے سے چالیس سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں (۲) جس نے عاشوراء کا روزہ رکھا گویا پورے سال کا روزہ رکھا (۳) عاشوراء کا روزہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا روزہ ہے (۴) جس نے عاشوراء کی رات عبادت کی اس کو سات آسمانوں میں رہنے والوں کی عبادت کا اجر ملے گا (۵) اس دن چار رکعت نماز سورۂ فاتحہ کے بعد پچاس مرتبہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کے ساتھ پڑھے تو اللہ تعالیٰ گزشتہ پچاس سال اور آئندہ پچاس سالوں کے گناہ بخش دے گا، اور ملاءِ اعلیٰ میں اس کے لیے نور کے ایک لاکھ ممبر بنائے جائیں گے (۶) جس نے اس دن کسی کو کچھ پلایا تو گویا اُس نے لمحہ بھر رب کی نافرمانی نہیں کی (۷) اگر کسی نے عاشوراء کے دن کسی غریب گھرانے کو کھلایا وہ پُل صراط پر روشنی کی چمک کی طرح گزرے گا (۸) جو عاشوراء کے دن غسل کرے گا اُس کو مرض الموت کے سوا کوئی مرض لاحق نہ ہوگا (۹) جو عاشوراء کو سُرمہ لگائے گا اُس کی آنکھیں تمام سال کبھی خراب نہ ہوں گی (۱۰) جس نے اس دن کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا گویا تمام یتیموں کے ساتھ بھلائی کی (۱۱) جس نے عاشوراء کا روزہ رکھا اُس کے لیے ایک ہزار حج ایک ہزار عمرے، ایک ہزار شہید اور ایک ہزار فرشتوں کا ثواب دیا جائے گا (۱۲) جس نے عاشوراء میں صدقہ کیا گویا کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ بھیجا (۱۳) جس نے اس رات عبادت کی گویا اس نے تمام مخلوقات کے بقدرِ عبادت کی (۱۴) عاشوراء میں جس نے کسی مریض کی عیادت کی گویا ساری امت کی عیادت کی (۱۵) جو عاشوراء کا روزہ رکھے گا اُسے ساٹھ سال کے روزوں اور رات کی عبادت کا ثواب ملے گا (۱۶) جو عاشوراء میں کسی روزے دار کو افطار کرائے گویا اُس نے ساری امت کو افطار کرایا (۱۷) عاشوراء میں کسی بھوکے کو کھانا کھلایا گویا ساری امتِ محمدیہ کو کھلایا (۱۸) یتیم کو سر پر ہاتھ پھیرنے سے ہر بال کے بدلے جنت میں ایک درجہ بلند ہوگا۔ ”**فمن صام هذا اليوم كانت له كفارة أربعين سنة، فمن صام يوم عاشوراء فكأنما صام الدهر كله...... وهو صوم الأنبياء، ومن أحيا ليلة عاشوراء فكأنما عبد الله تعالىٰ مثل عبادة أهل السماوات السبع، ومن صلّى أربع ركعات يقرأ في كل ركعة الحمد مرّة وخمسين مرّة قل هو الله أحد غفر الله خمسين عاما ماض وخمسين عاما مستقبل وبني له في**

الملأ الأعلٰى ألف ألف منبر من نور، ومن سقى شربة من ماء فكأنما لم يعص اللّٰه طرفة عين، ومن أشبع أهل بيت مساكين يوم عاشوراء، مرّ على الصّراط كالبرق الخاطف...... ومن تصدق بصدقة يوم عاشوراء فكأنما لم يرد سائلا قط، ومن اغتسل يوم عاشوراء لم يمرض مرضا إلا مرض الموت، ومن اكتحل يوم عاشوراء لم تر مد عينيه تلك السنة كلها، ومن أمر يده علٰى رأس يتيم فكأنما بر يتامٰى ولد آدم كلّهم، ومن صام يوم عاشوراء أعطٰى ثواب عشرة ألف ملک، ومن صام يوم عاشوراء أعطٰى ثواب ألف حاج ومعتمر، ومن صام يوم عاشوراء أعطٰى ثواب ألف شهيد، ومن صام يوم عاشوراء كتب له أجر سبع سماوات وفيهن خلق اللّٰه السماوات والأرضين والجابل والبحار...... ومن عاد مريضًا يوم عاشوراء فكأنما عاد مرضى ولد آدم كلّهم...... من صام يوم عاشوراء كتب اللّٰه له عبادة ستين سنة بصيامها وقيامها، ومن أفطر عنده مؤمن في يوم عاشوراء كتب اللّٰه له عبادة ستين سنة بصيامها وقيامها، ومن أفطر عنده مؤمن في يوم عاشوراء فكأنما أفطر عنده جميع أمة محمد، ومن .شبع جائعا في يوم عاشوراء فكأنما أطعم جميع فقراء أمة محمد صلّى اللّٰه عليه وسلم وأشبع بطونهم ومن مسح علٰى رأس يتيم رفعت له بكل شعرة علٰى رأسه في الجنّة درجة".

حکم: مذکورہ تمام فضائل من گھڑت اور بے اصل ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (١) حدیث کی کسی مستند کتاب سے مذکورہ فضائل ثابت نہیں ہیں۔

(٢) امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "یہ روایت قرآن کی آیت کے بھی خلاف ہے، قرآن میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ زمین وآسمان چھ دن میں بنائے گئے اور یہاں عاشوراء میں ہی پیدا کیے جانے کی بات ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ پورا سال عاشوراء میں سما جائے، اس روایت کا متن خود اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔ "وَفِيْ مَتْنِهِ مَالَايَسْتَقِيْمُ وَهُوَ مَارُوِيَ فِيْهِ مِنْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِيْنَ وَالْجِبَالِ كُلِّهَا فِيْ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَقُوْلُ: ﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ وَمِنَ الْمَحَالِ أَنْ تَكُوْنَ السَّنَةُ كُلُّهَا فِيْ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ، فَدَلَّ ذٰلِكَ عَلٰى ضَعْفِ هٰذَا الْخَبْرِ". (فضائل الاوقات: ٤٣٠-٤٤٠)

(٣) ابن الجوزی رحمہ اللہ "الموضوعات" میں لکھتے ہیں کہ: یہ حدیث یقیناً من گھڑت ہے؛ چوں کہ "حبیب بن

حبیب‘‘ راوی جھوٹا ہے، جس کو امام احمد بن حنبل نے اور ابنِ عدی رحمہما اللہ نے جھوٹا اور من گھڑت حدیثیں بیان کرنے والا قرار دیا ہے۔ امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث باطل و بے اصل ہے۔ ’’هٰذَا حَدِيْث مَوْضُوْع بِلاشک قَالَ أَحْمد بْن حَنْبَل: كَانَ حَبِيب بْن أَبِي حَبِيب يكذب. وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ: كَانَ يَضَعُ الْحدِيثَ وَقَالَ أَبُوحَاتِمِ ابن حِبَّانَ: هٰذَا حَدِيثٌ بَاطِلٌ لَاأَصْلَ لَهُ. قَالَ: وَكَانَ حَبِيبٌ مِنْ أَهْلِ مرو يضع الحديث على الثقات، لَايحلُّ كَتْبُ حَدِيْثِهِ إِلَّا عَلٰى سَبِيْلِ الْقَدْح فِيْهِ‘‘. (اللآلئ المصنوعة في الأحاديث الموضوعة: ۹۲/۲، تنزيه الشريعة: ۱٤۹/۲، الفوائد المجموعة: ۹، كتاب الموضوعات: ۱۹۹/۲)

(۴) ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ’’الموضوعات‘‘ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرکے فرمایا کہ: ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیث من گھڑت ہے، گھڑنے والے کو بھی عقل و شرم نہیں ہے کہ محال چیزوں کو جمع کردیا، مثلاً اللہ نے سب سے پہلے عاشوراء کا دن پیدا کیا، جب کہ عاشوراء دسویں نمبر پر آتا ہے، تو غور کرو اس سے پہلے نو دن پیدا ہو چکے تبھی تو یہ عاشوراء بنے گا۔ ’’هٰذَا حَدِيث لَايشک عاقل في وضعه ولقد أبدع من وضعه وكشف القناع ولم يستحي وأتى فيه بالمستحيل وهو قوله: وأول يوم خلق الله يوم عاشوراء، وهٰذا تغفيل من واضعه لأنّه إنما يُسمّى يوم عاشوراء إذا سبقه تسعة‘‘. (كتاب الموضوعات: ۱۹۹/۲)

(۵) عقلاً بھی غور کیا جائے تو اعمالِ شریعت میں شاید کوئی عمل ایسا ملے گا جس میں ایک نفل عمل کا اس قدر ثواب بیان کیا گیا ہو، رمضان المبارک کے فرض روزوں کا بھی اس قدر ثواب احادیث سے ثابت نہیں ہے، جس قدر عاشوراء کے نفل روزے کا ثواب گھڑا گیا ہے، جب کہ حدیث میں اس روزے کا ثواب صرف ایک سال کے گناہ معاف ہونے کا مذکور ہے، اس کے علاوہ کوئی ثواب صحیح حدیث سے ثابت نہیں، اعمالِ صالحہ میں سے کسی عمل کا ثواب بندہ کے لیے اپنی جانب سے بیان کرنا جائز نہیں، یہ حق صرف صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، ایسے بے بنیاد فضائل کو واٹس ایپ وغیرہ پر بلا تحقیق فارورڈ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا مستحب ہے، نویں، دسویں اور گیارہویں تینوں کا روزہ رکھنا افضل ہے، نو اور دس یا دس اور گیارہ تاریخ کا روزہ رکھنا بھی مستحب ہے، صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا مکروہِ تنزیہی ہے، اگر کسی بنا پر دو روزے نہ رکھ سکے تو کم سے کم دسویں تاریخ کا ایک روزہ رکھنے کی کوشش کرلے اس روزہ کا ثواب ملے گا۔ ’’صوموا التاسع والعاشر وخالفوا اليهود‘‘.

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

کعبۃ اللہ کی کنجی اور عثمان بن طلحہؓ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب وتلخیص: مفتی عبداللطیف صاحب قاسمی، استاذ مدرسہ عربیہ غیث الہدیٰ بنگلور

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا، وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ، اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًاۢ بَصِیْرًا○﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچادو امانتیں امانت والوں کو اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے، اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو بے شک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا۔

آیت کا شانِ نزول:

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے کہ کعبہ کی خدمت اسلام سے پہلے بھی بڑی عزت سمجھی جاتی تھی اور جو لوگ بیت اللہ کی کسی خاص خدمت کے لیے منتخب ہوتے تھے، وہ پوری قوم میں معزز وممتاز مانے جاتے تھے؛ اِسی لیے بیت اللہ کی مختلف خدمتیں مختلف لوگوں میں تقسیم کی جاتی تھیں۔

زمانۂ جاہلیت سے ایامِ حج میں حجاج کو زمزم کا پانی پلانے کی خدمت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس کے سپرد تھی، جس کو ''سقایہ'' کہا جاتا تھا، اِسی طرح اور بعض خدمتیں آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دوسرے چچا ابوطالب کے سپرد تھی، اسی طرح بیت اللہ کی کنجی رکھنا اور مقررہ ایام میں کھولنا بند کرنا عثمان بن طلحہ سے متعلق تھا۔

عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ:

عثمان بن طلحہ کا اپنا بیان ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم پیر اور جمعرات کے روز بیت اللہ کو کھولا کرتے تھے اور لوگ اس میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتے تھے، ہجرت سے پہلے ایک روز رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہؓ کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے کے لیے تشریف لائے۔ اُس وقت تک عثمان بن طلحہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے)۔

انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر جانے سے روکا اور انتہائی ترشی دکھائی، آپ نے بڑی بردباری کے ساتھ ان کے سخت کلمات کو برداشت کیا، پھر فرمایا: اے عثمان! شاید تم ایک روز یہ بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، جب کہ مجھے اختیار ہوگا کہ جس کو چاہوں سپرد کردوں، عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوگیا، تو قریش ہلاک اور ذلیل ہوجائیں گے، آپ نے فرمایا: نہیں! اُس وقت قریش آباد اور عزت والے ہوجائیں گے، آپ یہ کہتے ہوئے بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔

اس کے بعد جب میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو مجھے یقین سا ہوگیا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہوکر رہے گا، میں نے اسی وقت مسلمان ہونے کا ارادہ کرلیا؛ لیکن میں نے اپنی قوم کے تیور بدلے ہوئے پائے، وہ سب کے سب مجھے سخت ملامت کرنے لگے؛ اِس لیے میں اپنے ارادہ کو پورا نہ کرسکا، جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلاکر بیت اللہ کی کنجی طلب فرمائی، میں نے پیش کردی۔

کعبۃ اللہ کی کنجی قیامت تک تمہارے ہی خاندان کے پاس:

بعض روایات میں ہے کہ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کعبۃ اللہ کی کنجی لے کر بیت اللہ کے اوپر چڑھ گئے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے زبردستی کنجی اُن کے ہاتھ سے لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی تھی، بیت اللہ میں داخلہ اور وہاں نماز ادا کرنے کے بعد جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، تو پھر کنجی مجھ کو واپس کرتے ہوئے فرمایا: لو اب یہ کنجی ہمیشہ تمہارے ہی خاندان کے پاس قیامت تک رہے گی، جو شخص تم سے یہ کنجی لے گا وہ ظالم ہوگا۔

مقصد یہ تھا کہ کسی دوسرے شخص کو اس کا حق نہیں کہ تم سے یہ کنجی لے لے، اسی کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی کہ بیت اللہ کی اس خدمت کے صلے میں تمہیں جو مال مل جائے، اُس کو شرعی قاعدہ کے موافق استعمال کرو۔

عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں کنجی لے کر خوشی خوشی چلنے لگا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھے آواز دی اور فرمایا: عثمان! جو بات میں نے کہی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں؟ اب مجھے وہ بات یاد آ گئی جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے فرمائی تھی کہ ایک روز تم یہ کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، میں نے عرض کیا کہ بے شک آپ کا ارشاد پورا ہوا اور اس وقت میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ (مظہری بروایت ابنِ سعدؒ)

مذکورہ آیت جوفِ کعبہ میں نازل ہوئی:

حضرت فاروقِ اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس روز جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

بیت اللہ سے باہر تشریف لائے، تو یہ آیت آپ کی زبان پر تھی: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا﴾ اس سے پہلے میں نے یہ آیت کبھی آپ سے نہیں سنی تھی۔

صورتِ امانت کی بھی رعایت:

ظاہر ہے کہ یہ آیت اس وقت کعبۃ اللہ کے جوف میں نازل ہوئی تھی، اسی آیت کی تعمیل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر کنجی ان کے سپرد کی؛ کیوں کہ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ کنجی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی تو یہ کہہ کر دی تھی کہ ''میں یہ امانت آپ کے سپرد کرتا ہوں'' اگر چہ ضابطہ سے انکا یہ کہنا صحیح نہ تھا؛ بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہر طرح کا اختیار تھا کہ جو چاہیں کریں؛ لیکن قرآنِ کریم نے صورتِ امانت کی بھی رعایت فرمائی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ہدایت کی کہ کنجی عثمان ہی کو واپس فرمادیں؛ حالاں کہ اس وقت حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ خدمت بھی ہمیں عطا فرمادیجیے؛ مگر آیتِ مذکورہ کی ہدایت کے موافق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست رَد کر کے کنجی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو واپس فرمائی۔

(معارف القرآن: ۲/۴۴۴)

❑ ❖ ❑

اصلاحِ معاشرہ

خدارا! خواتین کی تربیت پر توجہ دیں!

ازقلم: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

ایک بار جب میں شہر سے اپنی جائے قیام کو لوٹ رہا تھا، اِس درمیان ایک خاتون کا فون آیا، وہ اپنا مدعا پیش کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، وہ کہہ رہی تھیں: ''آپ لوگ جمعہ میں بیان کرتے ہیں اور اُن کو صرف مرد سنتے ہیں، عورتیں محروم رہتی ہیں، عیدین کے موقع سے عیدگاہ میں دین کی بات پیش کی جاتی ہے؛ لیکن عورتوں کے لیے اس سے استفادہ کی کوئی صورت نہیں ہوتی، آپ حضرات مدارس کے جلسے کراتے ہیں؛ لیکن سامعین صرف مرد ہوتے ہیں، سیرت کے جلسے ہوتے ہیں تو وہ بھی مَردوں کے لیے، دعوت وتبلیغ کے بڑے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں، اُن میں بھی عورتوں کی شرکت نہیں ہوسکتی، غرض کہ دینی نقطۂ نظر سے جتنے اجتماعات ہوتے ہیں، اُن سے خواتین محروم رہتی ہیں، اگر کوئی ایسا پروگرام ہو، جس میں پیچھے کی طرف عورتوں کا انتظام ہو، تب بھی مقررین کی ساری گفتگو مَردوں کو سامنے رکھ کر ہوتی ہے، خواتین کے مسائل اور اُن کی ضروریات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی، اس کے برخلاف خواتین چوں کہ تنہا گھر میں ہوتی ہیں اور ان کا وقت فارغ ہوتا ہے؛ اِس لیے وہ مَردوں سے زیادہ ٹی وی سیریل دیکھتی ہیں اور سوشل میڈیا پر آنے والے پروگراموں کو سنتی ہیں، جس میں اَسّی نوّے فیصد غیر اخلاقی باتیں ہوتی ہیں، ایسی فلمیں دکھائی جاتی ہیں کہ بیوی کے اندر شوہر کے خلاف اور بہو کے اندر ساس سسر کے خلاف بغاوت کے جذبات پیدا ہوں، یہ پروگرام ازدواجی زندگی میں تلخی کا سبب بنتے ہیں، لڑکیاں خاندان کو جوڑنے کے بجائے خاندان کو توڑنے کا ذریعہ بن رہی ہیں؛ اس لیے کہ خواتین دین کی باتوں سے واقف نہیں ہیں، اور ایسے ایسے گناہوں میں مبتلا ہیں کہ جن کا تصور نہیں کیا جاسکتا، آخر آپ لوگ اپنی بہنوں کے بارے میں بھی تو کچھ سوچیں؛ ورنہ قیامت کے دن ہم آپ لوگوں کا دامن پکڑیں گے'' یہ ان کی طویل گفتگو کا خلاصہ تھا، وہ بہت جذبات میں گفتگو کر رہی تھیں، میں نے عرض کیا: مختلف دینی جماعتوں اور تنظیموں سے میرا بھی کچھ تعلق ہے، میں ان کے ذمہ داروں کے سامنے آپ کی بات رکھوں گا، اور ان شاء اللہ اس کی طرف توجہ کی جائے گی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نے ایسی کسی بھی شکل سے منع کیا ہے جس میں مَردوں اور عورتوں کا اختلاط

ہو، یہ ممانعت فطرتِ انسانی کا تقاضا اور سماج میں اخلاقی قدروں کی حفاظت کے لیے ضروری ہے؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتوں کو پوری طرح دینی باتوں سے محروم رکھا جائے، ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام نہ کیا جائے، انھیں اللہ اور اُس کے رسول کے احکام سے ناواقف رکھا جائے، صورتِ حال یہ ہے کہ ہمارے اجتماعات میں ماں کے حقوق اور اس کے فرائض ان مَردوں کے درمیان بیان کیے جاتے ہیں، جو باپ ہوتے ہیں، بیٹیوں کے حقوق وفرائض بیٹوں کے درمیان ذکر کیے جاتے ہیں، بہوؤں کی ذمہ داریاں داماد کے سامنے ذکر کی جاتی ہیں، نکاح وطلاق کے احکام کا بڑا حصہ عورتوں سے متعلق ہوتا ہے؛ لیکن ساری گفتگو مَردوں کے مجمع میں ہوتی ہے، عبادات کے بہت سے احکام خواتین کے لیے مَردوں سے الگ ہیں؛ لیکن مسائل صرف مَردوں کے لحاظ سے بتائے جاتے ہیں، ازواجِ مطہرات، بناتِ طاہرات اور وفا شعار اور جاں نثار صحابیات رضی اللہ عنہن کے بغیر سیرتِ نبویؐ کا مضمون مکمل نہیں ہوسکتا؛ لیکن خواتین کے لیے سیرت کے جلسے نہیں کیے جاتے کہ عورتیں سنیں اور سمجھیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک خواتین کے ساتھ کس قدر کریمانہ تھا، علماء کو، مسلم تنظیموں کو اور جماعتوں؛ نیز دیگر مذہبی اداروں کو اس پر گہرائی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، ہمیں یقینی طور پر ایسی تدبیر اختیار کرنی چاہیے کہ انسانیت کے نصف حصہ (جس کو آج کل نصف بہتر کہا جاتا ہے) تک ہم اسلامی تعلیمات کو پہنچانے کی کوشش کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خواتین مسجدوں میں نماز ادا کیا کرتی تھیں؛ کیوں کہ آج کی طرح فتنہ وفساد کا اندیشہ نہیں تھا، عورتوں کے لباس ڈھکے چھپے ہوتے تھے، لوگ نگاہوں ہی کی نہیں دلوں کو بھی بُرائی سے محفوظ رہتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کا سلسلہ جاری تھا، آپ وقتاً فوقتاً نازل ہونے والی آیات کو نمازوں کے بعد پیش فرماتے تھے، ظاہر ہے کہ اللہ کی کتاب مَردوں کے لیے بھی ہے اور عورتوں کے لیے بھی؛ اِس لیے نمازوں میں ان کی شرکت کا انتظام کیا جاتا تھا، بعد کو اخلاقی بگاڑ اور بے حیائی کے رجحان کو دیکھتے ہوئے فقہاء نے عورتوں کے مسجد میں نماز ادا کرنے کو حرام اور ناجائز تو نہیں قرار دیا؛ لیکن کہا کہ یہ بہتر نہیں ہے، اور ان کا یہ اجتہاد پوری طرح منشاءِ نبویؐ کے مطابق تھا، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے''، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شب وروز کی رفیق اور مزاج شناس اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: ''اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کی عورتوں کو دیکھا ہوتا تو ان کو مسجد میں آنے سے منع کردیا ہوتا''۔

عہدِ نبویؐ میں عیدین کے موقع پر خواتین بھی عیدگاہ جاتی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم الگ سے ان کے

درمیان وعظ فرماتے تھے، یہاں تک کہ عورتیں خیمہ لگا کر مسجدِ نبویؐ میں معتکف بھی ہوتی تھیں، آپ کا معمول مبارک روزانہ مغرب کے بعد اُن اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہن کے یہاں قیام کا تھا، جن کے یہاں آپ کی باری ہوتی تھی، یہیں دوسری ازواجِ مطہرات، صاحبزادیاں اور گھر کی خواتین جمع ہو جاتی تھیں، حسبِ ضرورت مہاجر اور انصاری خواتین بھی آیا کرتی تھیں اور کبھی براہِ راست اور کبھی ازواجِ مطہراتؓ کے واسطے سے اپنی ضرورت کے مسائل دریافت کرتی تھیں، خواتین بھی آپ کی مجلسوں سے استفادہ کیا کرتی تھیں، شاید اس لیے کہ آگے مَرد ہوتے تھے، پیچھے عورتیں ہوتی تھیں، یا اس بنا پر کہ مرد شرکاء کی تعداد زیادہ ہوتی تھی، یا اس وجہ سے کہ مَردوں کی آواز اونچی رہا کرتی ہوگی اور عورتوں کی آواز دب جاتی ہوگی، یا شاید یہ سبب ہو کہ خواتین سے متعلق بعض مسائل کا مَردوں کی مجلس میں پوچھنا مناسب نہیں ہوتا، بہر حال جو بھی سبب ہو، عورتوں نے اس صورتِ حال کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ مرد ہم پر غالب آجاتے ہیں؛ اِس لیے ہمیں ایک دن کا خصوصی وقت ملنا چاہیے؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے جمعرات کا دن متعین فرما دیا، اس میں خواتین کا اجتماع ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خطاب فرماتے اور ان کے سوالات کا جواب دیتے، یوں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہر ایک کے لیے کھلا رہتا تھا، جہاں مرد حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، مسائل پوچھتے، اپنے اشکالات حل کرتے، وہیں خواتین بھی حاضری کی سعادت حاصل کرتیں؛ اِسی لیے حدیث میں بہت سے ایسے سوالات کا ذکر ملتا ہے جو عورتوں نے کیے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری توجہ کے ساتھ اُن کا جواب عطا فرمایا ہے، اِسی طرح کسی خاتون کو اپنے شوہر سے یا والد سے شکایت ہوتی تو وہ بے تکلف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا دُکھ رکھتی اور آپ اُن کے مسائل کو حل کرتے، ایک لڑکی کی شادی اُس کی پسند کے بغیر اُس کے والد نے کردی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ نے اُس نکاح کو رَد فرما دیا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی نے اپنے شوہر کے بخل کی شکایت کی، اور آپ سے استفسار کیا کہ کیا میں ان کے مال میں سے چھپا کر کچھ لے سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری حد تک لینے کی اجازت دی، یہاں تک کہ خواتین آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے رشتہ کے بارے میں بھی مشورہ کیا کرتی تھیں، حضرت فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا کے پاس کئی رشتے آئے، انھوں نے آپ سے مشورہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ پیش کیا اور اُن ہی سے نکاح ہوا، ایسا بھی ہوا کہ بعض خواتین کو ان کے شوہر پسند نہیں تھے، انھوں نے آپ کے سامنے اپنا معاملہ رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے خلع حاصل کیا، غرض کہ خواتین آپ کے مواعظ سے بھی استفادہ کرتی تھیں، آپ سے مسائل بھی دریافت کرتی تھیں، اپنی گھریلو

زندگی کے سلسلہ میں بھی مشورہ کیا کرتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن سے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ہرضرورت میں اُن کی مدد فرماتے تھے۔

اِس لیے خواتینِ اُمت کے سلسلہ میں اسی توازن کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہے کہ احتیاط بھی ہو، اختلاط سے اجتناب بھی ہو، شرعی حدود سے تجاوز نہ ہو؛ لیکن اُن تک دین کی باتیں پہنچائی جائیں، اُن کے لیے خطبات ومواعظ رکھے جائیں اور اُن کے لیے ایسا موقع بھی فراہم کیا جائے کہ وہ علماء کے سامنے اپنے مسائل کو پیش کریں اور حسبِ ضرورت ان سے مشورے لے سکیں، وہ محسوس کریں کہ سماج کا نصف حصہ جو مَردوں پر مشتمل ہے، جیسے اُن پر توجہ دی جاتی ہے دوسرے نصف پر بھی اسی طرح توجہ دی جاتی ہے؛ کیوں کہ عمومی طور پر جو فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات مرد سے متعلق ہیں، عورتوں سے بھی متعلق ہیں؛ اِسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کے لیے علم حاصل کرنے کو ضروری قرار دیا: "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ" اِس میں مَردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے، اِسی طرح دین کی دعوت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم پوری امت کے لیے ہے، اس میں عورتیں بھی شامل ہیں؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خواتین کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی ہے، آپ نے فرمایا: جس کی تین بیٹیاں ہوں وہ ان کی تربیت کرے، اُن کا نکاح کردے اوران کے ساتھ بہتر سلوک کرے، اُس کا ٹھکانہ جنت ہے: "**من عال ثلاث بنات فأدبهن وزوجهن وأحسن إليهن فله الجنة**". (سنن أبي داؤد: ٤٥٩/٧) بیٹی تو بیٹی ہے، آپ نے تو باندی کی بھی تعلیم وتربیت کا حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس کوئی باندی ہو، وہ اُس کو تعلیم دے اور بہتر طور پر تعلیم دے، اُس کی تربیت کرے اور بہتر طور پر تربیت کرے تو اُس کو دوہرا اجر ملے گا: "**أيما رجل كانت عنده وليدة فعلمها فأحسن تعليمها وأدبها فأحسن تأديبها، فله أجران**". (۲۔ بخاری، عن ابی موسیٰ اشعریؓ، حدیث نمبر: ۴۷۹۵)

دین کے بہت سے ادارے جو سادہ طریقہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قائم تھے، بعد کے اَدوار میں اصل مقصد کو قائم رکھتے ہوئے اس کے لیے مناسبِ حال شکلیں اختیار کی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجدِ نبوی ہی میں تعلیم ہوتی تھی؛ لیکن بعد کے زمانے میں الگ سے مدرسے قائم کیے گئے اور غالباً عباسی دَور سے مدرسوں کی الگ عمارتیں بنے لگیں، عہدِ نبویؐ میں مسجد ہی میں مقدمات کے فیصلے بھی کیے جاتے تھے، بعد میں محاکمِ شرعیہ کی مستقل عمارتیں بنائی گئیں، آپ کے عہد میں مسجد ہی میں قیدیوں کو ستونوں سے باندھ کر قید کی سزا دی جاتی تھی۔

حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دَور میں باضابطہ جیلیں بنائی گئیں؛ اِس لیے اس پر غور کیا جاسکتا ہے کہ عورتوں کے لیے مسجدوں کا متبادل فراہم کیا جائے، ہر مسلم محلّہ میں ایک ایسا سینٹر ہو جو خواتین کی تعلیم وتربیت کے لیے مخصوص ہو۔

موجودہ دَور میں ہم بہنوں کے مسائل کو حل کرنے اور ان تک دین کا پیغام پہنچانے کے لیے درج ذیل تدبیریں اختیار کرسکتے ہیں:

(۱) ان مراکز میں عورتوں کے لیے ہفتہ وار درسِ قرآن اور درسِ حدیث کا انتظام کیا جائے، شرعی مسائل کا درس بھی رکھا جائے، جس میں ضروری مسائل بیان کیے جائیں، اب تو ماشاء اللہ لڑکیوں کے مدرسوں میں بھی افتاء کے شعبے قائم ہیں، ان کی فارغات کی بھی خدمات حاصل کی جائیں؛ تاکہ عورتیں بے تکلف اپنے مسائل اُن کے سامنے رکھ سکیں، موجودہ حالات میں اتوار کا دن اس کے لیے زیادہ مناسب ہوگا۔

(۲) رمضان المبارک، عیدین، شبِ قدر کی مناسبتوں سے خواتین کے لیے دان کے وقت پروگرام رکھے جائیں اور ان مذہبی تقریبات کی روح ان پر پیش کی جائے۔

(۳) سیرت کے خصوصی جلسے خواتین کے لیے کیے جائیں۔

(۴) اسی سینٹر میں خاندانی تنازعات کے لیے کاؤنسلنگ سینٹر رکھا جائے، اور کاؤنسلنگ میں تجربہ کار تعلیم یافتہ خواتین کو بھی شامل کیا جائے۔

(۵) موسمِ گرما کی تعطیلات میں خواتین کے لیے خصوصی گرمائی کلاسز اور مذاکرات رکھے جائیں اور ان کلاسز کو ناظرۂ قرآن اور دعاؤں کے یاد کرنے تک محدود نہ کیا جائے؛ بلکہ عقائد، عبادات، معاشرت اور اخلاق چاروں شعبوں کی تعلیم دی جائے۔

یوں تو ویسے بھی خواتین اُمت کا نصف حصہ ہیں؛ اِس لیے ہر سطح پر ان کے لیے تعلیم وتربیت اور پند وموعظت کا پروگرام ہونا چاہیے؛ لیکن موجودہ حالات میں چوں کہ خواتین کے نام سے اور ان کے حقوق کے حوالے سے اسلام کو بدنام کرنے اور شریعت کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانے کی کوششیں کی جارہی ہیں؛ اِس لیے اس کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

اولاد کی بہترین تعلیم وتربیت والدین کا اہم فریضہ

ازقلم: مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

ریت کے ذرّے، بارش کے قطرے، درخت کے پتے اور صحرا کے کنکر حد شمار سے باہر ہیں، نہ انہیں کوئی گن سکے، نہ اُن کی صحیح تعداد کی خبر پا سکے، انسان کی عقل دنگ، اس کا علم عاجز، اُس کے آلات درماندہ، اس کے وسائل ناکافی، علم اگر کسی کو ہے تو وہی علیم وخبیر جو سینوں کے بھید سے واقف، سمندروں کی گھٹاٹوپ اندھیریوں سے باخبر، اور جس کے پاس ہر ایک چیز کے خزانے اور اس کا بہترین اندازہ ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ O﴾ (سورۂ حجر، آیت:۲۱) پاک ہے وہ ذات، لامحدود ہے اُس کا علم اور وہ غیب وشہادت کو جاننے والا ہے، مان لیجیے کوئی زمانہ ایسا آجائے جب سائنس اور ٹیکنالوجی عروج وشباب کے اس مقام تک پہونچ جائے کہ ریت کے ذرّوں، بارش کے قطروں اور درخت کے پتوں کو گنا جا سکے، تب بھی ایک چیز ایسی ہوگی جو حد شمار سے باہر ہی رہے گی، اور وہ خدا تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، جن کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ ''اگر تم خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو نہیں گن سکتے''۔ (سورۂ نحل، آیت:۱۸)

خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت اولاد ہے، یہ ایسی نعمت ہے جس کی تمنا پیغمبروں نے بھی کی، حضرت ابراہیم وزکریا علیہما السلام کی دعا، اور اس دعا کے نتیجے میں ملنے والی اولاد اسماعیل واسحاق اور یحییٰ علیہم السلام کا ذکر قرآنِ پاک میں ایک سے زائد مقامات پر ہے، یہ نعمت بڑی نعمت ہے، اور اس لحاظ سے بڑی ذمہ داری بھی، اولاد کی پرورش، نگہداشت، تعلیم وتربیت اور ان کی اچھی کفالت والدین کا اہم فریض ہے۔

اولاد کی تربیت اور ان کے حقوق کے سلسلے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی دی ہے کہ: اُن کا اچھا سا نام رکھا جائے، سیرتِ طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اچھے اور بہتر معنیٰ والے نام رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے، یہاں تک کہ ایسے متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جن کا زمانۂ جاہلیت میں غلط معنیٰ والا نام تھا، جب بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نام کا علم ہوا تو آپ نے اُن کا نام تبدیل فرمادیا، خود کاشانۂ نبوت میں بھی یہ واقعہ پیش آیا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر بچہ کی ولادت ہوئی تو اُنھوں نے نومولود کا نام ''حرب'' رکھا، جس کا مطلب ہے ''جنگ''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معنیٰ کے پیشِ نظر

اِس نام کو مسترد فرما دیا اور ''حسن'' نام رکھا، پھر جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ تولد ہوئے تو ان کا نام بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ''حرب'' رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرما کر ''حسین'' رکھا، تیسرے صاحبزادہ کی ولادت ہوئی تو انھیں بھی ''حرب'' نام دیا گیا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''محسن'' کہہ کر پکارا۔ (بیہقی)

آج کل یہ بھی ایک رواج چل پڑا ہے کہ بچوں کا بالکل نیا اور انوکھا نام رکھا جائے، یہ مزاج اگرچہ کہ آج کل کچھ زیادہ ہے؛ لیکن یہ سوچ پُرانی ہے۔

چناں چہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ: ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے یہاں بیٹا تولد ہوا ہے، میں اُس کا ایسا نام رکھنا چاہتا ہوں جو نیا ہو اور کسی نے بھی نہ رکھا ہو، حضرتؒ نے از راہِ ظرافت فرمایا، ''فرعون رکھ دو'' یہ نام تو کوئی بھی نہیں رکھتا۔ نئے نام کی تلاش کی وجہ سے یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ بے معنیٰ نام رکھ دیے جاتے ہیں۔ راقم الحروف کئی سال پہلے کسی مخلص کے مکان پر گیا، گھر کے چھوٹے بچوں بچیوں کو دم کرانے کے لیے لایا گیا، ایک بچی سے اُس کا نام پوچھا تو معلوم ہوا ''اَلْوِینہ'' نام ہے، میں نے کہا یہ تو بے معنیٰ نام ہے، یہ نہیں رکھنا چاہیے، یہ سن کر پردے کے پیچھے سے بچی کی دادی نے لقمہ دیا: مگر مولانا صاحب! یہ نام تو قرآنِ پاک میں آیا ہے، اب میں حیران کہ ''یہ مبارک نام'' کس پارے میں اُترا ہے، تحقیقِ بسیار کے بعد پتہ چلا کہ یہ ''سورۃ البینۃ'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

اگر صحابہؓ و بزرگانِ دینؒ کے ناموں میں سے کوئی نام اولاد کے لیے طے نہیں کیا جا رہا ہے تو اس کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ نام اچھے اور بہتر معنی والا ہو، بے معنیٰ نام، یا غلط معنیٰ والا نام رکھنا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے۔

غلط معنیٰ والے ناموں سے اس لیے روکا گیا ہے کہ ناموں کا زندگی پر اثر ہوتا ہے، ایسا نہ ہو کہ غلط معنیٰ والا نام زندگی پر منفی اثر ڈالے، تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اچھے ناموں کا اچھا اثر اور بُرے و غلط معنیٰ والے ناموں کا بُرا اثر انسان پر ہوتا ہے، یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ ہر ایک کے ساتھ ایسا ہو؛ لیکن ایسا ہوتا ضرور ہے؛ اِس لیے نام رکھنے کے سلسلے میں صحابۂ کرامؓ، بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کے ناموں کو ترجیح دینا اور اس ارادہ کے ساتھ نام رکھنا کہ ''جن بزرگوں کی نسبت پر نام رکھا جا رہا ہے اُن کی صفات، اُن کے اخلاق، اُن کے پاکیزہ کردار کا اثر میری اولاد پر بھی ہو، اور ان کے اچھے اوصاف میں سے اسے بھی حصہ ملے'' مستحسن ہے، اور نام رکھنے والوں کی یہ نیت اولاد کے حق میں ضرور مفید ہوگی، باذن اللہ!۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ (قسط سوم)

قلب کو اخلاقِ محمودہ سے مزین کرنے کا بیان

از قلم: مفتی محمد سلطان خان قاسمی، امام وخطیب مسجد ابوبکر صدیق، ڈی جے ہلی، بنگلور

پچھلی قسط میں توبہ نہ کرنے کے اسباب اور ان کا علاج ذکر کیا گیا تھا اور اب مندرجہ ذیل قسط میں گناہِ صغیرہ سے توبہ نہ کرنے اور گناہِ صغیرہ کو حقیر سمجھ کر اُس کو بار بار کرنے کی وجوہات کا بیان ہے۔

چناں چہ حضرت شیخ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں ہر ایک انسان کو توبہ کرنے کی طرف توجہ دلائی اور جہاں توبہ نہ کرنے کے اسباب اور اس کا علاج بیان کیا ہے وہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے امت کے فائدے کو ملحوظ رکھ کر اپنی اِس جامع تحریر میں صغیرہ گناہ کے نقصانات اور اس سے توبہ نہ کرنے کی وجوہات کو بیان کیا ہے۔

”فصل: یوں تو گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے، مگر کبیرہ گناہوں سے توبہ کرنا تو نہایت ہی ضروری ہے اور یہ واضح ہے کہ صغیرہ گناہ بھی اصرار کے ساتھ کرنے سے کبیرہ ہوجاتا ہے؛ بلکہ صغیرہ گناہ جب بار بار کیا جاتا ہے تو ایک مرتبہ کسی کبیرہ گناہ کرلینے کی بہ نسبت قلب کو زیادہ سیاہ کردیتا ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سخت پتھر پر ایک ایک قطرہ کا بار بار متواتر ٹپکنا اور ایک بارگی موسلا دھار بارش کا برس جانا۔

یہ ظاہر ہے کہ ایک قطرہ باوجودے کہ حقیر اور بہت ہی بے وقعت چیز ہے؛ مگر بار بار پڑنے کی وجہ سے ایک نہ ایک دن پتھر میں بھی سوراخ کردے گا، برخلاف موسلا دھار مینھ کے، کہ اگرچہ وہ کئی لاکھ قطروں کا مجموعہ ہے؛ مگر ایک بارگی برسنے سے اس کا وہ اثر نہ ہوگا جو ایک قطرہ نے آہستہ آہستہ کر دکھایا تھا، اسی طرح چھوٹا گناہ آہستہ آہستہ قلب پر جو اثر کرتا ہے وہ کبیرہ گناہ کے یکبارگی اثر کی بہ نسبت بہت ہی اندیشہ ناک ہوتا ہے اور اس کی کئی وجہ ہیں۔

(۱) پہلا سبب: تو یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کی ذہن میں وقعت نہیں ہوتی اور اس کو معمولی گناہ سمجھ کر بے پروائی کی جاتی ہے، برخلاف کبیرہ گناہ کے، کہ اس کی بُرائی کے سبب اُمید ہے کہ اس سے بچنے اور باز آجانے کی طرف توجہ ہوجائے، اسی بناء پر ایک شیخ کا مقولہ ہے کہ: جس گناہ کی بخشش نہ ہوگی وہ وہ گناہ ہے جس کو بندہ معمولی سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ کاش سارے گناہ ایسے ہی ہوتے (یعنی معمولی اور صغیرہ ہوتے)۔

(۲) دوسرا سبب: یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو بسا اوقات انسان نعمت سمجھتا اور خوش ہوتا ہے؛ چناں چہ لوگوں کو اکثر

کہتے ہوئے سنا ہے کہ دیکھا میں نے اس کو کیوں کر جواب دیا، کیسا بدلہ لیا، کیسی آبرو خاک میں ملادی، کیسا دھوکہ دیا اور ظاہر ہے کہ گناہ پر خوش ہونا زیادہ مضرت رساں اور قلب کو سیاہ کرنے والا ہے۔

(۳) تیسرا سبب: یہ ہے کہ انسان اکثر حق تعالیٰ شانہٗ کی پردہ پوشی کو بہ نظر حقارت دیکھتا ہے اور اپنی کرامت اور بزرگی سمجھنے لگتا ہے، یعنی خیال کرتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے نزدیک ذی مرتبہ شخص ہوں کہ میرے گناہ ظاہر نہیں ہوئے اور یہ خبر نہیں کہ خدا کی طرف سے ڈھیل دی جارہی ہے؛ تاکہ گناہ زیادہ ہوجائیں اور ایک لخت دھر پکڑا جائے اور اسفل السافلین میں جھونک دیا جائے۔

(۴) چوتھا سبب: یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو اس کے صغیرہ ہونے کی بنا پر لوگوں میں ظاہر اور شائع کرتا پھرتا ہے؛ حالاں کہ حدیث میں آیا ہے کہ تمام گناہ بخش دیے جائیں گے؛ مگر گناہوں کا اعلان وافشا کرنے والے لوگ نہ بخشے جائیں گے۔ (مضمون بخاری ومسلم، بحوالہ تبلیغ دین: ص/۱۶۸، ترجمہ از: منہاج العابدین)

(۵) پانچواں سبب: اگر کسی عالم یا صوفی یعنی مقتدا سے کوئی صغیرہ ہوتا ہے تو اس کا اثر اور بھی زیادہ بُرا پڑتا ہے؛ کیوں کہ عام لوگ اس کو دیکھ کر اس گناہ میں بے باکانہ مبتلا ہوجاتے ہیں اور اسی طرح گناہ کا ایک سلسلہ قائم ہوجاتا ہے، گویا یہ صغیرہ گناہ اتنا دراز ہوجاتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے، اس کی دیکھا دیکھی جن لوگوں نے بھی اس گناہ کو اختیار کیا ہے سب کا وبال اُس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس گناہ کا بقا صغیرہ ہونے کی وجہ سے ہی ہوا ہے، پس خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنے مرنے کے ساتھ اپنے گناہ بھی دنیا سے لے جائے۔

بنی اسرائیل کے ایک عالم نے جب اپنے گناہوں سے توبہ کی تو اس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ اس کے گناہ میرے اور اس کے درمیان ہی رہتے تو میں بخش دیتا؛ مگر اس نے تو مقتدا بن کر میرے دوسرے بندوں کو بھی گناہوں میں مبتلا کیا اور جہنم میں داخل کرایا۔ (تبلیغ دین: ص/۱۶۹، ترجمہ از: منہاج العابدین۔ مترجم حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ)

خلاصہ: پچھلی تینوں اقساط کا یہ ہے کہ گناہ سے کوئی فردِ بشر خالی نہیں ہے؛ لہٰذا ہر ایک کو اپنے گناہوں سے توبہ کرنا لازم وضروری ہے، توبہ نہ کرنے کے جتنے اسباب ہوسکتے ہیں ان کو جان کر ان سے بچتے ہوئے توبہ میں جلدی کریں، تاخیر نہ کریں اور جہاں کبیرہ گناہ سے توبہ ضروری ہے وہیں صغیرہ گناہوں سے بھی توبہ ضروری اور لازم ہے، اگرچہ کہ وہ دیگر اعمالِ خیر سے محو ہوسکتے ہیں؛ لیکن صغیرہ گناہ کو حقیر اور کمتر سمجھ کر اس پر اصرار کرنا اور اس کو اپنی عادت بنالینا یہ کبیرہ گناہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ کَبَائِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ وَاللَّمَمِ. آمین ثم آمین

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

۱۰؍محرم کو اہل وعیال پر وسعت کرنا مستحب ہے!

از: مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی، ناظم دار العلوم رشیدیہ وصدر دار الافتاء والارشاد حیدرآباد

یومِ عاشوراء میں وسعت علی العیال احادیثِ مرفوعہ کی روشنی میں

☆ یومِ عاشوراء میں اہل وعیال پر کھانے پینے میں وسعت سے متعلق حدیث پانچ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً، ایک صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور ایک تابعی ابراہیم ابن المنتشر رحمہ اللہ سے مرسلاً ثابت ہے، جن پانچ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً ثابت ہے وہ: حضرت جابر، حضرت ابنِ مسعود، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہم ہیں اور یہ تمام احادیث ''شعب الایمان'' میں مذکور ہیں، یہاں دو مرفوع روایتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

☆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ: ''جو اپنے آپ پر اور اپنے گھر والوں پر عاشوراء کے دن کھانے پینے وغیرہ میں کشادگی وفراخی کرے گا، اللہ تعالیٰ اُس پر پورے سال کشادگی وفراخی فرمائے گا''، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے اِس کا تجربہ کیا، تو اِس کو اپنے تجربہ میں اسی طرح پایا۔ ''**عن جابر، قال، قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلم: من وسع علی أهله یوم عاشوراء وسع اللّٰہ علی أهله طول سنته**''ن

(الاستذکار لجامع المذاهب فقهاء الأمصار: ۳۳۱/۳، باب صیام یوم عاشوراء، هذا اسناد ضعیف وروی من وجه آخر کما في شعب الإیمان للبیهقي، رقم الحدیث: ۳۵۱۲، قلت: وهذا وهذا اسناد ضعیف، فإن فیه محمد بن یونس الکدیمي، بل عبد البعض متهم بالکذب)

نوٹ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اپنی سند کے ساتھ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی روایت کی ہے، ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ کی سند سے روایت کردہ مذکورہ حدیث کو بعض محدثین نے سند کے لحاظ سے صحیح؛ بلکہ صحیح مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے؛ البتہ بعض حضرات نے اِس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے اور اِس کو منکر کہا ہے، جب کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث اِس مسئلہ میں تمام احادیث میں صحیح درجہ کی ہے۔ ''**وقال ابن الزبیر**

مثله. وقال شعبة مثله. رواه ابن عبد البر في الاستذكار، ورجاله رجال الصحيح...... ثم قال: هٰذاماوقع لنا من الأحاديث المرفوعة، وأصحها حديث جابر من الطريق الأولٰى".

☆مفتی رضوان صاحب راولپنڈی دامت برکاتہم لکھتے ہیں: مگر واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے، بالخصوص جب کہ اس کی تائید دیگر احادیث وآثار سے بھی ہوتی ہے، تو اس مضمون کو منکر قرار دینے کے کوئی معنیٰ نہیں؛ چناں چہ صرف ابوعلی خلیلی رحمہ اللہ کے کلام کی بنیاد پر ''لسان المیزان'' میں مذکور احتمال کی وجہ سے اس حدیث کو منکر قرار دینا درست معلوم نہیں ہوتا؛ کیوں کہ ابوخلیفہ کی اکثر محدثین نے توثیق فرمائی ہے، اوران کو اپنے وقت کا شیخ اور امام، علامہ، محدث وغیرہ قرار دیا ہے۔ (کتاب الثقات لابن حبان: ج/۲، ص/۸-۹، تحت رقم الترجمۃ: ۱۴۸۸)''**وقال الحافظ أبوالفضل العراقي في أماليه...... وله طريق عن جابر علىٰ شرط مسلم أُرها ابن عبد البر في الاستذكار من رواية أبي الزبير، وهو أصح طرقه".** (كشف الخفاء ومزيل الالباس للعجلوني: ج/۲، ص/۳٤۱، حديث: ۲٦٤۲)

حضرت مولانا محمد طلحہ بلال احمد منیار صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: بعض علماءِ حدیث اِس حدیث کی تمام اسانید وطرق پر جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہیں ہے، اور بعض صراحتاً من گھڑت ہونے کا حکم لگاتے ہیں، جب کہ ان کے مقابلہ میں بعض محدثین نے ان کو قبول کیا ہے، اور بعض اسانید کو صحیح یا حسن کا مرتبہ دیا ہے، ان میں بالخصوص امام بیہقی، ابن القطّان، عراقی، ابوزرعہ بن العراقی، ابن حجر عسقلانی اور سیوطی رحمہم اللہ ہیں۔ (الأجوبة المستحسنة في تحقيق الأحاديث المشتهرة على الألسنة: ۳) چناں چہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے ''الامالی المطلقۃ'' میں اِس حدیث پر تفصیلی بحث کے ضمن میں فرمایا: ''**ولـه شواهد عن جماعة مـن الـصـحـابة منهم عبد الله بن مسعود وعبد الله بن عمر وجابر وأبوهريرة وأشهرها عبد الله بن مسعود الخ".** (الأمالي المطلقة: ۲۸/۱، ط: المكتبة الإسلامي، بيروت)

☆حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال کے خرچ میں وسعت اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ سارے سال اُس کے مال وزر میں وسعت عطا فرمائے گا۔''**عن ابن مسعود قال، قال رسول الله صلّى الله عليه وسلم: من وسّع علىٰ عياله في النفقة يوم عاشوراء وسّع الله عليه سائر سنته".**

☆امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ مختلف سندوں سے احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: یہ سندیں اگر چہ ضعیف ہیں؛ لیکن جب بعض کے ساتھ ملایا جاتا ہے، تو قوت حاصل کر لیتی ہیں۔''**هٰذه الأسانيد وإن كانت**

ضعيفة فهي إذا ضم بعضها إلٰى بعض أخذت قوة". (شعب الإيمان للبيهقي: ج/٥، ص/٣٣، تحت رقم الحديث: ٣٥١٥، كتاب الصوم، باب صوم التاسع مع العاشر)

☆امام سخاوی رحمہ اللہ نے اِس حدیث کوثابت قرار دیا ہے۔"**إن أسانيده كلها ضعيفة، ولٰكن ضمّ بعضها إلٰى بعض أفاده قوة، بل قال العراقي في أماليه: لحديث أبي هريرة طرق صحح بعضها ابن ناصر الحافظ"**. (المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة للسخاوي: ص/٦٧٥، تحت رقم الحديث: ١١٩٣، الباب الأوّل الأحاديث بحسب ترتيب الأحرف، حرف الميم)

☆امام عجلونی رحمہ اللہ نے اِس حدیث کومختلف سندوں پر کلام کرتے ہوئے قابلِ استدلال فرمایا ہے؛ چناں چہ عاشوراء کے دن وسعت علی العیال والی حدیث: پانچ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً، اورایک تابعی کی روایت سے مرسلاً منقول ہے، جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً وارد ہے: حضرت جابر، حضرت ابنِ مسعود، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابنِ عمر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم پر موقوف روایت مروی ہے۔"**واخرجه البيهقي في "الشعب" عن أبي سعيد الخدري، وأبي هريرة وابن مسعود وجابر رضى الله عنهم بأسانيد ضعيفه إذاضم بعضها إلٰى بعض تقوت"**. (كشف الخفاء ومزيل الالباب للعجلوني: ج/٢، ص/٣٤١-٣٤٢، تحت رقم الحديث: ٢٦٤٢، حرف الميم)

☆امام مناوی رحمہ اللہ نے بھی تفصیلی کلام کے بعد فرمایا کہ: اِس حدیث کی اصل موجود ہے۔"**فهٰذا من هٰذا الإمام الجليل يدل علٰى أن للحديث أصلًا"**. (فيض القدير للمناوي: ج/٦، ص/٢٣٥، تحت رقم الحديث: ٩٠٧٥)

☆ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے علامہ عراقی رحمہ اللہ سے اِس حدیث کا صحیح اور ثابت ہونا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔"**قال العراقي: له طرق صحح بعضها وبعضها علٰى شرط مسلم"**. (مرقاة المفاتيح: ج/٤، ص/١٣٤٩، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة)

☆محدثین کا اُصول یہ ہے کہ جو حدیث متعدد ضعیف اسناد سے ہوتو مختلف سندوں کے باہم ایک دوسرے کی تائید کی وجہ سے وہ ضعف ختم ہوجاتا ہے اور حدیث حسن ومقبول کے درجہ میں آجاتی ہے۔حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں گردن کے مسح سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: ان روایات کی سند میں اگر چہ کلام ہے، مگر فضائل میں ضعیف روایت پر بھی عمل جائز ہے؛ نیز تعددِ طرق کی وجہ سے روایت میں قوت آجاتی ہے اگر چہ ہر سند ضعیف ہو"۔(احسن الفتاویٰ:۲/۱۳)

حدیث موقوف:

☆حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: جس نے گھر والوں پر عاشوراء کے دن کشادگی وفراخی کی، اللہ تعالیٰ اُس پر پورے سال کشادگی وفراخی فرمائے گا۔ "**من وسّع علٰی أهله یوم عاشوراء وسّع اللّٰه علیه سائر السنة**". (الاستذکار: ۳۳۱/۳، باب صیام یوم عاشوراء)

تابعین کا عمل وتجربات:

☆حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کے شاگرد حضرت یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ: ہم نے عاشوراء کے دن وسعت کرنے کے عمل کا تجربہ کیا تو اس کو درست پایا۔ "**جربّنا ذٰلک فوجدناه حقا**". (الاستذکار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار: ج/۳، ص/۳۳۱، کتاب الصیام، باب صیام یوم عاشوراء)

☆عظیم محدث حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: "**جربّنا ذٰلک فوجدناه كذٰلک**". (الاستذکار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار: ج/۳، ص/۳۳۱، کتاب الصیام باب یوم عاشوراء)

☆حضرت سفیان رحمہ اللہ کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ: ہم نے پچاس سال تجربہ کیا تو ہم نے اس کو صحیح پایا۔ "**فجربنا ذٰلک منذ خمسین سنة فلم نری إلا سعة**". (أخبار أصبهان: ۱۲۳/۲، تحت رقم الترجمة: ۱۳۲۰، تحت الترجمة القاسم بن عبدالوهاب أبو العباس)

مسالکِ اربعہ کے فقہ کی روشنی میں:

☆محدثین کے علاوہ اہل السنۃ والجماعت کے چاروں فقہاءِ کرام کے مسلک کی کتب سے بھی عاشوراء کے دن اہل وعیال پر وسعت کا ثبوت ملتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: ماہِ محرم الحرام کے فضائل ومسائل، مفتی رضوان صاحب راولپنڈی:۹۲)

☆مفتی شبیر صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ''عاشوراء کے روز شام کو وسعتِ دسترخوان ناجائز نہیں ہے؛ بلکہ جائز اور باعثِ خیر وبرکت ہے''۔ (فتاویٰ قاسمیہ:۴۳۲/۲)

☆مفتی سلمان منصور پوری دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ''وسعت علی العیال کی روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے؛ لیکن مختلف طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے فضائل میں قابلِ استدلال ہے''۔ (کتاب النوازل:۱۸۸/۱۷)

☆عاشوراء کے دن اہل وعیال کو اچھا اور خوب کھلانا حدیث وکتبِ فقہ سے ثابت ہے، حدیث اگرچہ

ضعیف بھی ہو پھر بھی فضائلِ اعمال میں اس پر عمل کرنے میں ثواب ہے؛ نیز فقہاءِ کرام رحمہم اللہ نے بھی اس حدیث کو قابلِ عمل فرمایا ہے، واللہ اعلم۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۱/۴۱۹)

☆عاشوراء کے دن اہل وعیال پر فراوانی کی حدیث صحیح ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہے۔(نجم الفتاویٰ:۱/۳۹۶)

☆اِس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عاشوراء کے دن کی تاثیر یہ ہے کہ اس دن اپنے اہل وعیال پر وسعت کرنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ سارے سال وسعت اور فراخی عطا فرماتا ہے؛ لہٰذا بعض حضرات کا یہ کہنا کہ سلف کے دَور میں اس عمل کا وجود نہیں تھا، یہ بات درست یا کم ازکم راجح معلوم نہیں ہوتی، بعض نے جو ان احادیث وروایات کو باطل یا موضوع قرار دیا ہے، وہ بھی درست نہیں، مبالغہ آمیز پر مبنی ہے، احادیث پر نقد وجرح کرنے والے بڑے بڑے محدثین نے دس محرم کے دن اہل وعیال پر وسعت کرنے کی حدیث پر کلام کیا اور اس کو درست ومعتبر قرار دیا ہے۔

☆محرم کے دنوں میں عموماً اور دس محرم کے دن کا روزہ خصوصاً باعثِ اجر وثواب وکفارۂ سیئات ہے اور اس دن اہل وعیال پر رزق کی وسعت بھی ایک مستحب عمل ہے، اس کو واجب نہ سمجھا جائے۔

اہلِ حدیث عالم کی تحقیق:

☆مسلکِ اہلِ حدیث کے عالم عبداللہ بن محمد مبارک پوری رحمہ اللہ نے اِس حدیث کے مختلف سندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے معتبر قرار دیا ہے۔"**والمعتمد عندي هو ماذهب إليه البيهقي أن له طرقًا بعضها بعضا، أن أسانيده الضعيفة أحدثت قوة بالتضام واللّٰه تعالىٰ أعلم**". (مرعاة المفاتيح: ج/٦، ص/٣٦٤، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، الفصل الثالث)

اِس مسئلہ میں اعتدال:

☆اِس حدیث کے متعلق افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال والی راہ اختیار کرنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ اِس حدیث کا انکار نہ کیا جائے؛ لیکن دوسری طرف اِس حدیث میں بیان کردہ عمل کو فرض اور واجب نہ سمجھا جائے؛ بلکہ دنیوی برکت کا ایک عمل سمجھا جائے اور نہ کرنے پر اپنے آپ کو یا دوسروں کو گناہ گار یا قابلِ ملامت بھی نہ خیال کیا جائے۔

☆نیز یہ بھی وہم نہ کیا جائے کہ یہ عمل نہ کرنے کی وجہ سے یقینی طور پر تمام سال بے برکتی رہے گی اور جو یہ عمل نہ کرے اُس پر لعن طعن بھی نہ کیا جائے۔

☆اِس موقع پر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرنا،فضول خرچی کرنا، اِس کے لیے قرض لینا یا کسی خاص قسم کے کھانے (مثلاً کھچڑی، کھیر، حلیم وغیرہ) کو لازم وضروری سمجھنا درست نہیں، مفتی سلمان منصور پوری دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ''اِس روایت سے کھچڑے اور حلیم پکانے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ کھچڑا آج کل اہلِ بدعت کا شعار بن چکا ہے اور یہ لوگ روزہ رکھنے کی بجائے دن بھر کھچڑا کھاتے کھلاتے رہتے ہیں، جو منشاءِ نبوی کے بالکل خلاف ہے؛ نیز اِس میں التزام مالا یلزم کے معنیٰ بھی پائے جاتے ہیں؛ کیوں کہ وسعت پر عمل کھچڑا پکانے پر ہی منحصر نہیں؛ بلکہ کسی بھی طرح دستر خوان وسیع کرنے سے یہ فضیلت حاصل ہوسکتی ہے''۔

(کتاب النوازل:۱۷/۱۸۸)

وسعت علی العیال مستحب ہے نہ کہ سنت:

☆حدیث ''**من وسّع عیالہ یوم عاشوراء الخ**''محدثین کے ضابطہ پر ضعیف ہے؛ اِس لیے اِس حدیث سے سنیت ثابت نہیں ہوسکتی، زیادہ سے زیادہ فضائل میں استحباب کا ثبوت ہوسکتا ہے۔

(کتاب النوازل:۶/۱۹۶)

☆حدیثِ عاشوراء کی وجہ سے اکابر اور بڑوں نے اپنی اپنی کتابوں میں اِس عمل کو مستحب قرار دیا ہے اور صاحبِ درمختار نے اِس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل:۳/۲۶۳،بہشتی زیور:۶/۶۱)

☆یہ عمل مستحب ہے، واجب نہیں۔''مستحب'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ کام کرلیا جائے تو ثواب ہے اور نہ کیا جائے تو کوئی گناہ نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص اس پر عمل کرلے تو باعثِ فضیلت ہے، عمل نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں؛ نیز مستحب عمل میں کوئی خاص کھانا پکانا ثابت نہیں، ہر آدمی اپنی طبیعت اور حیثیت کے موافق بہتر سے بہتر کھانا اپنے گھر والوں کے لیے بنا سکتا ہے اور حدیث سے کوئی باقاعدہ دعوت کی شکل ثابت نہیں ہے؛ اِس لیے دعوت کی خاص شکل اپنا کر محلّے میں اسے تقسیم کرنے کا سلسلہ شروع نہ کیا جائے، اِس طرح اس کو ضروری بھی نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اس کو شرعی حدود سے آگے بڑھایا جائے۔

دن میں روزہ ہے تو دستر خوان میں وسعت کیسے ہوگی؟

عاشوراء کے دن روزہ رکھنا مسنون ہے جیسا کہ صحیح روایات میں وارد ہے، اس سے یہ ظاہر ہے کہ وسعت علی العیال کی روایت کا تعلق اِس بات سے ہے کہ اس دن افطار کے وقت دستر خوان وسیع کیا جائے۔ توسیع علیٰ عیالہ کا اطلاق دسویں تاریخ کی سحری پر بھی ہوتا ہے اور افطار کی تیاری چوں کہ دن ہی سے کی جاتی ہے؛ اِس لیے یہ تیاری

بھی توسیع کے مفہوم میں داخل ہے، اگر چہ یہ کھانا مغرب کے بعد کھایا جائے، پھر بھی عاشوراء کے دن ہی کھانا سمجھا جائے گا۔ (کتاب النوازل: ۱۸۶/۱۷)اور وسعت سے مراد عام دنوں کے مقابلے میں عمدہ اور اچھا کھانا کھلائے۔

وسعت علی العیال کیا صرف کھانے کے ساتھ خاص ہے؟

☆عاشوراء کے دن روزہ رکھا جائے گا،تو کھانے پینے وغیرہ میں وسعت والا عمل بعض اہلِ علم حضرات کے مطابق اہل وعیال پر وسعت کھانے کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ اہل وعیال کی دوسری ضروریات مثلاً لباس وغیرہ میں بھی وسعت کی جاسکتی ہے،اگر بیوی بچوں کو کچھ نقد پیسے اس نیت سے دے دیے جائیں تب بھی حدیث شریف پر عمل ہوجائے گا؛لہٰذا جب وسعت کھانے پینے کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ لباس وغیرہ کی شکل میں بھی ہوسکتی ہے تو وسیع مفہوم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے روزہ رکھ کر بھی کھانے پینے کے علاوہ دوسری چیزوں کے ذریعہ وسعت ہوسکتی ہے۔

☆علاوہ ازیں بعض محدثین نے عاشوراء کی رات میں بھی وسعت کا ذکر فرمایا ہے،دن کے مفہوم میں رات بھی داخل ہوا کرتی ہے؛اِس لیے ۹ محرم کے دن کا غروب ہونے کے بعد بھی اس وسعت پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

☆عاشوراء کے دن بالفرض اپنا روزہ ہو اور کوئی کھانے کی شکل میں وسعت کرنا چاہے تو گھر میں جن لوگوں کا روزہ نہ ہو یا جو چھوٹے بچے ہوں اُن پر وسعت دن میں خود روزہ رکھ کر بھی کی جاسکتی ہے۔’’**وقد رأيت لبعض العلماء كلاما حسنا محصله: أنه لايقتصر فيه على التوسعة بنوع واحد بل يعمها في المأكل ولملابس وغيره ذلک، وأنه أحق من سائر المواسم بما يعمل فيها من التوسعات الغير المشروعة فيها كاالأعياد ونحوها**‘‘. (ردالمحتار: ۴۲۹/۲، كتاب الحظر والإباحة)

اہل وعیال میں کیا اہلِ محلّہ داخل ہیں؟

☆مذکورہ احادیث میں اپنے اہل وعیال پر وسعت کرنے کی قید لگی ہوئی ہے؛اِس لیے یہ سمجھنا کہ جب تک اہل وعیال کے علاوہ علاقے اور محلّہ والے لوگوں کو شامل نہیں کیا جائے گا؛ چناں چہ آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ہے:’’دسویں محرم کو ثواب کی نیت سے غریبوں ومساکین کو یا اعزہ واقرباء کو کھانا کھلانے کی کوئی فضیلت وارد نہیں ہوئی؛ ہاں! وسعتِ رزق کی اُمید سے اپنے اہل وعیال کے لیے دسترخوان وسیع کرنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے؛ اِس لیے اگر کوئی شخص وسعتِ رزق کی اُمید سے اپنے اہل وعیال کے لیے محرم کی دسویں تاریخ کو دسترخوان وسیع کرتا ہے تو یہ جائز؛ بلکہ مستحسن ومندوب ہے‘‘۔واللہ تعالیٰ اعلم (دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: 62211)

وسعت میں بڑی بڑی دیگیں اُتاری جانے لگیں، یا مختلف قسم کی سبیلیں لگائی جائیں،تو مقصدِ حدیث حاصل نہیں

ہوگا، وسعت کا اتنا وسیع مفہوم کسی محدث نے ذکر نہیں کیا ہے، یہ غلط فہمی پر مبنی ہے؛ کیوں کہ حدیث میں اپنے اہل وعیال پر نان ونفقہ میں کشادگی کی برکت بیان کی گئی ہے، اور اہل وعیال میں اہلِ محلّہ اور دوسرے لوگ شامل نہیں ہوتے، اگر گناہوں سے بچنے اور توبہ کے ساتھ ساتھ اس دن صرف اپنے گھر کی حدتک بغیر قرض لیے حلال مال سے کوئی اچھا کھانا تیار کرلے تو یہ عمل جائز نہیں بلکہ بہتر ہے؛ لیکن یہ معاملہ اپنے گھر تک محدود رکھا جائے، اس کو نہ تو ضروری سمجھا جائے اور نہ ہی اس کا دائرہ بڑھا کر اپنی کفالت سے باہر تک افراد کو لینے دینے میں شامل کیا جائے؛ کیوں کہ حدیث میں ایک دوسرے کو لینے دینے کا ذکر نہیں؛ بلکہ صرف اپنے اہل وعیال پر وسعت کا ذکر ہے، اور اس حدیث سے اپنے اہل وعیال پر وسعت کا جو حکم ہے وہ ایصالِ ثواب سے الگ عمل ہے؛ اس لیے اس کو ایصالِ ثواب سمجھنا بھی غلط فہمی ہے۔ (خطبات حکیم الامت: ج ۹/، وعظ تحریم المحرم بتغیر، بحوالہ ماہِ محرم الحرام کے فضائل واحکام، مفتی رضوان صاحب راولپنڈی: ۹۶)

کیا یومِ عاشوراء میں دسترخوان وسیع کرنے والی روایت میں پڑوسی داخل ہیں؟

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ: ’’یومِ عاشوراء کو افطار کے وقت دسترخوان وسیع کرنے کی فضیلت والی روایات میں اگر چہ ’’اہل‘‘ کا لفظ وارد ہوا ہے؛ لیکن پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے عمومی حقوق کو پیشِ نظر رکھ کر اُس میں پاس پڑوس اور اعزاء واقرباء کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے‘‘۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۸/۵۴۱) ظاہر ہے یہاں حدیثِ عاشوراء کی وجہ سے پڑوسی و متعلقین مراد نہیں ہیں؛ بلکہ عمومی احادیث میں ذکر کردہ حقوق کی وجہ سے ہے۔

یومِ عاشوراء میں وسعت کے نام پر کیے جانے والے منکرات:

(۱) دسویں محرم کو کھچڑا پکانا: بعض لوگ محرم کی دسویں تاریخ کو کھچڑا پکاتے ہیں، یہ بالکل ناجائز اور سخت گناہ ہے، ’’البدایہ والنہایہ‘‘ میں لکھا ہے کہ: سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خوشی میں خوارج دسویں محرم کو مختلف اناج ملا کر پکاتے تھے۔ ’’فَكَانُوا إِلٰى يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ يَطْبَخُوْنَ الْحُبُوْبَ‘‘. (البدایہ والنہایہ: ۸/۲۰۲-۵۹۹ بیروتی) معلوم ہوا کہ اس دن کھچڑا پکانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے دشمنی رکھنے والوں کی ایجاد کردہ رسم ہے، اہلِ بیعت سے الفت ومحبت رکھنے والوں کو اس رسمِ بد سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ: ۱۳۸، خیر الفتاویٰ: ۱/۵۵۸، بحوالہ جامع الفتاویٰ: ۲۰/۵۸۸)

معلوم ہوا کہ اس دن کھچڑا پکانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے دشمنی رکھنے والوں کی ایجاد کردہ رسم ہے، اہلِ بیت سے الفت ومحبت رکھنے والوں کو اس رسم سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے ’’ردالمحتار‘‘ میں لکھا ہے کہ: جب روافض نے عاشوراء کے دن حضرت سیّدنا حسین

رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے غم کے اظہار اور ماتم وغیرہ کی بدعت کو اختیار کیا، تو جاہل سنی عوام نے ان کی دیکھا دیکھی مخصوص قسم کے کھانے حلیم، شربت وغیرہ بنانے کی بدعت کو گھڑ لیا۔ اِس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ بدعت، بدعتِ شنیعہ ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے، اگر محرم الحرام کے مخصوص ایام میں پکائی جانے والی حلیم اور شربت کی سبیل غیر اللہ کے نام پر ہو، تو نص قرآنی ﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ کے تحت اس کا کھانا حرام ہے اور اس کی حرمت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ جانور کی حرمت میں کوئی فرق نہیں۔ اگر یہ حلیم و شربت وغیرہ اللہ تعالیٰ کے نام پر بنائی جائے اور سنّی بنائیں، تو یہ فی نفسہٖ تو حلال ہے؛ لیکن اس کے لیے کسی دن کی تخصیص مثلاً یومِ عاشوراء، ۱۲؍ربیع الاوّل اور ماہِ رجب وغیرہ کی کرنا اور التزام وغیرہ ایسے اُمور ہیں جو سراسر بدعت اور گمراہی ہیں؛ لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے۔

(۲) ایصالِ ثواب کے لیے کھانا پکانا: محرم کے مہینہ میں خصوصاً نویں، دسویں اور گیارہویں گاریخ میں بعض لوگ کھانا پکا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں، یہ طریقہ بھی بالکل غلط اور کئی قباحتوں کا مجموعہ ہے:

۱- جن ارواح کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اگر اُن کو نفع ونقصان کا مالک سمجھا گیا اور ان اکابرِ سلف کے نام سے وہ کھانا پکایا گیا تو یہ شرک ہے اور ایسا کھانا ﴿مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

۲- ایسے موقع پر عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو چیز صدقہ دی جاتی ہے، میت کو بعینہٖ وہی ملتی ہے؛ حالاں کہ یہ خیال بالکل باطل ہے، میت کو وہ چیز نہیں پہنچی؛ بلکہ اُس کا ثواب پہنچتا ہے۔

۳- ایصالِ ثواب میں اپنی طرف سے قیود لگالی جاتی ہیں جیسے: صدقہ کی متعین صورت مثلاً کھانا، مہینہ، دن متعین کرنا وغیرہ؛ حالاں کہ شریعت نے ان چیزوں کی تعیین نہیں فرمائی، حسبِ سہولت جو چیز جب چاہیں صدقہ کی جاسکتی ہے، شریعت کے اطلاق کو اپنی طرف سے مقید کردینا گناہ اور بدعت؛ بلکہ شریعت میں بے جا مداخلت ہے۔

(۳) پانی یا شربت کی سبیل لگانا: بعض لوگ محرم کی دسویں تاریخ کو پانی کی یا شربت کی سبیل لگاتے ہیں اور راستوں و چوراہوں پر بیٹھ کر گزرنے والے کو وہ پانی یا شربت پلاتے ہیں، تو اگر چہ پانی پلانا باعثِ ثواب اور نیکی کا کام ہے؛ لیکن یہ عمل بھی مندرجہ بالا پابندیوں کی وجہ سے بدعت اور قابلِ ترک ہے۔

(مستفاد ی فتاویٰ رشیدیہ: ۱۳۹، خیر الفتاوی: ۵۶۹/۱، بحوالہ جامع الفتاویٰ: ۵۸۸/۲)

(۴) مٹھائی تقسیم کرنا: بعض جگہوں پر یہ بھی رواج ہے کہ دس محرم کو مٹھائی وغیرہ مسجد میں لاکر یا گھر میں ہی تقسیم کردیتے ہیں، یہ امر بھی معصیت اور خلافِ شریعت ہے۔ (مستفاد فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۹/۱۵)

(۵) عید کی طرح زینت کرنا: بعض حضرات یومِ عاشوراء میں عید کی طرح زینت اختیار کرتے ہیں، یہ بھی بدعت ہے اور بعض حضرات جواز کے قائل ہیں اور تائید میں حدیث پیش کرتے ہیں؛ مگر جواز پر دلالت کرنے والی تمام احادیث موضوع ہیں۔ (فتاویٰ عبدالحئی:۵۰۹،بحوالہ جامع الفتاویٰ:۵۸۹/۲)

کیا یومِ عاشوراء میں تقسیم کیا جانے والا کھانا قبول کیا جاسکتا ہے؟

محرم کی دسویں تاریخ کو چاول، کھچڑی، حلیم، میٹھا وغیرہ پکانے پھر فی سبیل اللہ تقسیم کرنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں، اگر کہیں سے کھچڑی، حلیم، میٹھا وغیرہ گھر میں بھیجا جائے تو اسے نہ لینا چاہیے؛ تاکہ اس سے بدعت کی تائید اور اشاعت میں معاونت نہ ہو؛ کیوں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کی معاونت نہ کرو؛ لیکن اگر واپس کرنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو، تو لے کر فقراء اور محتاجوں کو دے دیں، اس پر کوئی وبال نہ ہوگا۔ اکثر سنّی عوام بھی ان خاص ایام میں روافض کی دیکھا دیکھی حلیم و شربت وغیرہ بناتے ہیں، اس سے اس حکم میں کچھ تخفیف نہ ہوگی؛ کیوں کہ مذکورہ امر روافض کے ساتھ مشابہت کے ساتھ ساتھ بدعتِ قبیحہ بھی ہے، جس سے اجتناب لازم اور ضروری ہے۔ (نجم الفتاویٰ:۲۵۳/۱، دارالعلوم یاسین القرآن)

❑❖❑

اکابرِ دیوبند کے علوم ومعارف

اصطلاحاتِ تصوف

منقول از:''التکشف عن مہمات التصوف''

مصنّفہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ازقلم: مولانا محمد اویس صاحب رشادی، استاذ دارالعلوم شاہ ولی اللہ بنگلور

تمثیل: کوئی ذات باوجود بقاء اپنی حالت وصفت کے کسی دوسری صورت میں ظہور کرے اُس کو تمثیل کہتے ہیں، اِس دوسری صورت کو صورتِ مثالی کہتے ہیں۔ (ص/۴۴۱)

بیعت: حضراتِ صوفیاءِ کرام میں جو بیعت معمول ہے جس کا حاصل معاہدہ ہے، التزام احکام اہتمام اعمالِ ظاہری وباطنی کا جس کو ان کے عرف میں بیعتِ طریقت کہتے ہیں۔ (ص/۴۴۴)

مشاہدہ: کسی امر کے استحضار اور خیال کا قلب پر قوی ہوجانا مشاہدہ کہلاتا ہے۔ (۴۵۰)

تلوین: حالات کا غلبہ دائم نہیں ہوتا، بالخصوص مبتدی کہ اُس کو بہت تغیر وتبدل پیش آتا ہے، جس کو تلوین کہتے ہیں۔ (ص/۴۵۱)

مراقبہ: کسی مضمون کا دل سے اکثر احوال میں یا ایک محدود وقت تک اِس غرض سے کہ اُس کے غلبہ سے اُس کے مقتضا پر عمل ہونے لگے تصور رکھنا مراقبہ کہلاتا ہے۔ (ص/۴۵۴)

ذات وصفاتِ حق تعالیٰ یا کسی مضمونِ خاص کی طرف تدبرتام سے متوجہ ہونا اور اس کا تصور قلب میں مواظبت کے ساتھ جمانا یہ مراقبہ کہلاتا ہے۔ (ص/۴۷۸)

نسبت: اشتغال بالذکر سے قلب میں ایک کیفیت غریبہ لذیذہ پیدا ہوجاتی ہے اور مواظبت سے اس میں رسوخ ہوجاتا ہے، صوفیاء کی اصطلاح میں اس کو نسبت کہتے ہیں۔ (ص/۴۶۴)

سکروصحو: واردِ غیبی کے ظاہری وباطنی احکام میں امتیاز کا اُٹھ جانا سکر ہے اور اس امتیاز کا عود کرآنا صحو ہے۔ (ص/۴۷۵)

قبض وبسط: محبوب کی تجلی جلالی یعنی آثارِ عظمت واستغناء کے وارد ہونے سے قلب گرفتہ ہوجانا قبض کہلاتا ہے، اور قبض کے مقابل بسط ہے، یعنی آثارِ لطف وفضل کے ورود سے قلب کو فرحت وسرور ہونا۔ (ص/۴۷۶)

ہیبت وانس: قبض وبسط میں جب اور ترقی ہوتی ہے اُس کو ہیبت وانس کہتے ہیں۔ (ص/۴۷۷)

فراست: صفا قلب کی بدولت جو کہ مواظبت ذکراللہ وملازمت تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے، اکثر وجدانی طور پر حقائق واقعات سے مدرک ہونے لگتے ہیں، اس کو فراست کہتے ہیں۔ (ص/۴۷۸)

شطح وادلال (شوخی): بعض بزرگوں سے نظماً یا نثراً بعض ایسے کلمات منقول ہیں جن کا ظاہری عنوان موہم گستاخی ہے، اگر یہ غلبۂ حال میں ہو تو اُس کو شطح وادلال کہتے ہیں۔ (ص/۴۸۱)

غیبت ومحو: قوتِ وارد سے کبھی سالک ازخود رفتہ ہو جاتا ہے، اِس حال کو غیبت ومحو کہتے ہیں۔ (ص/۴۸۴)

وجد: کسی حالتِ محمودہ غریبہ کا غلبہ اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے۔ (ص/۴۹۴)

اباحیہ: بعض جہلاء اور اہلِ زیغ کا اعتقاد ہے کہ جب آدمی کامل ہو جاتا ہے تو اُس کے لیے کوئی چیز حرام نہیں رہتی، سب جائز ہو جاتا ہے، اس فرقہ کو اباحیہ کہتے ہیں۔ (ص/۵۷۸)

نسبتِ باطنی: حق تعالیٰ کے ساتھ دل کا لگ جانا جس کے لوازم عادیہ دوامر ہیں: دوامِ یادداشت، دوامِ اطاعت، غالب احوال میں یہ حقیقت ہے نسبتِ باطنی کی۔ (ص/۶۲۹)

غیرت: حق تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیز سے نفرت ہو جانا یہ ایک حالِ محمودہ ہے، جس کو غیرت کہتے ہیں۔ (ص/۶۳۲)

علمِ وہبی وعلمِ اسرار: اللہ تعالیٰ کے بعض خاص بندوں کو بعض وہ علوم عطا ہوتے ہیں جو نہ منقول ہیں نہ مکتسب ہیں، کبھی اس کو علمِ وہبی سے تعبیر کرتے ہیں، کبھی علمِ اسرار کہتے ہیں۔ (۶۵۲)

❑❖❑